ملک صفدر حیات (سیریز نمبر 16)
لیلۃ الحساب
(تحریر حسام بٹ)
ناول نگری : سلطان سلیم
عقیل قریشی - یاسر حسین
ناصر بلوچ - حسام بھائی
سسپنس ڈائجسٹ : اگست 2020

# لیلۃ الحساب

ملک صفدر حیات

کہتے ہیں کہ جو رات قبر کی ہے، وہ زمین کے اوپر بسر نہیں ہو سکتی ... اور قبر سے مراد ہر انسان کی زندگی اور اس کا انجام ہے کیونکہ سفر ہو یا کوئی مشن ... اس کی حد اور نتیجہ دونوں ساتھ ساتھ چل رہے ہوتے ہیں۔ ان کی وہ رات بھی حساب کی رات مقرر ہو چکی تھی اور اس حساب میں ... دو جمع دو ... پانچ کا فارمولا کسی طور نہیں لگایا جا سکتا تھا ... لہٰذا بہت کڑا امتحان تھا جسے ہر حال میں دینا لازم تھا۔ یہ اور بات کہ اس کسوٹی پر وہ پورے اترتے یا نہیں بہرحال قدرت کو اپنا کام تو ایسے ہی کرنا تھا۔

آج میں آپ کو ایک ایسی حیرت انگیز اور دلچسپ روداد سنانے جا رہا ہوں جس کی مثال میری پیشہ ورانہ زندگی میں دور و نزدیک کہیں دکھائی نہیں دیتی۔ یہ اپنی نوعیت کا ایک منفرد کیس تھا جس نے واقعتاً مجھے گھما کر رکھ دیا تھا۔

موسم گرما اپنے جوبن پر تھا جس کی سختیوں نے ہر پیر و جوان کی زندگی کو سپردِ عذاب کر رکھا تھا۔ عوام الناس کے علاوہ ڈھور ڈنگر اور دیگر چرند و پرند کا بھی برا حال تھا۔ ان دنوں میری ڈیوٹی ضلع اوکاڑہ کے ایک نواحی تھانے میں تھی اور یہاں پر میری تعیناتی کو لگ بھگ چار ماہ ہو گئے تھے۔ ان دنوں گندم کی فصل کی کٹائی آخری مراحل میں داخل ہو چکی تھی۔

ایک روز حسبِ معمول میں اپنے کمرے میں بیٹھا امورِ تھانہ داری میں مصروف تھا کہ ایک کانسٹیبل نے آ کر مجھے اطلاع دی۔

''ملک صاحب! ہیڈ کوارٹر سے دو بندے آئے ہیں۔ وہ فوری طور پر آپ سے ملنا چاہتے ہیں۔''

میں نے کانسٹیبل سے کہا۔ ''ٹھیک ہے صدیق! تم انہیں میرے پاس بھیج دو۔''

وہ اگر ہیڈ کوارٹر سے آئے تھے تو یقیناً ان کا تعلق پولیس ڈیپارٹمنٹ سے ہوگا۔ ایک منٹ سے بھی پہلے وہ میرے سامنے موجود تھے۔ ان میں سے ایک عہدے کے اعتبار سے سب انسپکٹر تھا اور دوسرا کانسٹیبل۔ میں نے انہیں بیٹھنے کے لیے کہا اور ان کے لیے مٹکے کا ٹھنڈا خوش ذائقہ پانی منگوالیا۔

وہ دونوں اس وقت سادہ لباس میں تھے۔ رسمی علیک سلیک کے بعد سب انسپکٹر نے تعارف کراتے ہوئے مجھے بتایا۔

''ملک صاحب! میں سب انسپکٹر امداد علی ہوں اور یہ میرے ساتھ کانسٹیبل خادم حسین ہے......'' اس نے اپنے ساتھی کی جانب اشارہ بھی کر دیا۔ ''ہم ایک نہایت ہی اہم کام کے سلسلے میں آپ کے پاس حاضر ہوئے ہیں۔ ہیڈ کوارٹر میں بیٹھے ہوئے بڑے بڑے افسران نے ہمیں آپ کے

پاس بھیجا ہے۔''

بات کے اختتام پر امداد علی نے اپنے سیاہ چرمی بیگ میں سے پولیس ڈیپارٹمنٹ کی جانب سے جاری کردہ ایک تہ شدہ لیٹر نکال کر میری طرف بڑھا دیا۔ میں نے فی الفور اس لیٹر کو کھول کر پڑھا۔ اس خط کی مختصری تحریر میں ایک سینئر پولیس افسر نے مجھے تاکید کی تھی کہ میں امداد علی سے بھرپور تعاون کروں۔

''آپ لوگ مجھ سے کس قسم کا تعاون چاہتے ہیں؟'' میں نے مذکورہ لیٹر کو اپنی میز پر رکھ کر سوالیہ نظروں سے سب انسپکٹر کی جانب دیکھا اور کہا۔ ''اس خط میں معاملے کی نوعیت کو بیان نہیں کیا گیا۔''

''ملک صاحب! معاملہ خاصا سنگین نوعیت کا ہے اور اس پر فوری عمل درآمد کی ضرورت ہے۔'' امداد علی نے رازدارانہ انداز میں کہا۔ ''چک بیالیس آپ کے تھانے کی حدود میں آتا ہے لہٰذا یہ کام آپ کی نگرانی ہی میں سرانجام دیا جائے گا لیکن ہم دونوں بھی اس مشن میں آپ کے ساتھ رہیں گے۔''

''یہ سب تو ٹھیک ہے۔'' میں نے الجھن زدہ انداز میں کہا۔ ''میں ہر قسم کے تعاون کے لیے تیار ہوں مگر یہ تو پتا چلے کہ آخر آپ لوگوں کا پروگرام کیا ہے، تم کس خصوصی مشن کی بات کر رہے ہو......؟''

''اس مشن کا تعلق کھدائی سے ہے۔'' امداد علی نے گہری سنجیدگی سے کہا۔ ''چک بیالیس کے ایک وسنیک حیدر علی کی چار ایکڑ زمین کچے راستے کے کنارے پر واقع ہے۔ اس اراضی میں کھدائی مقصود ہے۔''

''کیا اس زمین کے اندر قارون کا خزانہ دفن ہے؟'' میں نے امداد علی کی پراسرار مبہم گوئی کے جواب میں استفسار کیا۔

''قارون کا نہیں، ہاشو کا خزانہ ملک صاحب......!'' وہ سرسراتی ہوئی آواز میں بولا۔ ''ہاشو ایک خطرناک ڈکیت ہے اور وہ اس وقت اوکاڑہ کی ڈسٹرکٹ جیل میں بند ہے۔ کم و بیش سوا سال پہلے عدالت نے اسے عمر قید کی سزا سنادی تھی۔ ڈاکا زنی کے علاوہ اس پر قتل و غارت گری کے بھی کئی مقدمات ہیں اور...... ہاشو نے سونے کی ایک بھاری مقدار حیدر علی کے کھیتوں میں چھپا رکھی ہے جس میں ڈکیتی کی وارداتوں میں لوٹے جانے والے مختلف قسم کے طلائی زیورات کے علاوہ سونے کی اینٹیں (گولڈ بارز) بھی شامل ہیں......''

''کیا اپنا یہ راز خود ہاشو ڈکیت نے ہیڈ کوارٹر والوں کو بتایا ہے؟'' میں نے قطع کلامی کرتے ہوئے امداد علی سے پوچھا۔

''نہیں ملک صاحب!'' وہ نفی میں گردن ہلاتے ہوئے بولا۔ ''وہ بھلا اس نوعیت کی حماقت کیوں کرے گا!''

''تو پھر......؟'' میں نے سوالیہ نظر سے اسے دیکھا۔

''ہاشو نے جیل کے اندر سے اپنے ایک بھائی بند خوشیا کو ایک خفیہ پیغام بھجوانے کی کوشش کی تھی جس میں مدفون سونے کے بارے میں اشارتاً بتایا گیا تھا۔ اتفاق سے وہ رقعہ جیل کے حکام کے ہاتھ لگ گیا اور پھر وہاں سے یہ سنسنی خیز معاملہ سفر کرتے ہوئے ڈسٹرکٹ ہیڈ کوارٹر پہنچ گیا۔ چنانچہ اعلیٰ افسران نے حیدر علی کی اراضی کو کھودنے کے احکامات صادر کر دیے ہیں۔ آپ کی زیرِ نگرانی یہ کام جتنی جلدی ممکن ہو، شروع ہو جانا چاہیے اور جب تک ہاشو کا دفینہ ہاتھ نہیں لگ جاتا، ہم آپ کے مہمان ہیں ملک صاحب!''

''ست بسم اللہ! مہمان تو اللہ پاک کی رحمت ہوتے ہیں۔'' میں نے پُرخلوص انداز میں کہا۔ ''آپ لوگوں کا جب تک دل چاہے، یہاں قیام کر سکتے ہیں۔ انشاء اللہ آپ کو کوئی کمی یا تکلیف محسوس نہیں ہوگی اور جہاں تک حیدر علی کی زرعی اراضی کی کھدائی کا معاملہ ہے تو وہ بھی کوئی مسئلہ نہیں۔ ہم ابھی وہ کام شروع کر دیں گے لیکن......''

''لیکن کیا ملک صاحب؟'' امداد علی نے چونکتے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

''ہاشو ڈکیت کا وہ رقعہ جیل حکام کے ہاتھ کیسے لگا؟'' میں نے اپنی الجھن کو امداد علی تک پہنچاتے ہوئے سوال کیا۔ ''اور ہاشو نے اس رقعے میں خوشیا کو کیا پیغام دیا تھا؟''

''ملک صاحب! آپ جانتے ہیں کہ جیل میں اپنی سزا کاٹنے والے قیدیوں کو خط کتابت کی اجازت ہوتی ہے۔'' امداد علی وضاحت کرتے ہوئے بولا۔ ''وہ اپنے لواحقین کو چٹھی لکھ سکتے ہیں۔ اسی طرح ان کے نام کے خطوط بھی موصول ہوتے ہیں لیکن ان بے چارے قیدیوں کو یہ معلوم نہیں ہوتا کہ ان کے آنے اور جانے والے تمام خطوط جیل حکام کی تنقیدی نظر سے گزرے بغیر پوسٹ کیے جاتے ہیں اور نہ ہی جیل کے ایڈریس پر موصول ہونے والے قیدیوں کی چٹھیوں کو بغیر پڑھے ان تک پہنچایا جاتا ہے۔ یہ کام اتنی رازداری اور مہارت سے کیا جاتا ہے کہ قیدیوں یا ان کے لواحقین کو خط کے کھل کر دوبارہ بند ہونے کا احساس تک نہیں ہوتا۔ آپ کو معلوم ہے کہ جیل حکام یہ سب حفاظت کے پیشِ نظر کرتے ہیں۔ اسے سیکیورٹی الرٹ بھی کہا جا سکتا ہے......''

''ہاں، یہ سارے گمبھیر معاملات میرے علم میں ہیں۔'' میں نے قدرے بیزار ہوتے ہوئے کہا۔ ''میں نے جو پوچھا تھا، آپ نے اس کا مکمل جواب نہیں دیا۔ ہاشو نے

اپنی چٹھی میں کیا لکھا تھا؟''

''میں اسی طرف آرہا تھا ملک صاحب کہ آپ نے ٹوک دیا۔'' وہ شاکی نظر سے مجھے دیکھتے ہوئے بولا۔

''ٹھیک ہے، میں پوری توجہ سے سن رہا ہوں۔'' میں نے سپاٹ آواز میں کہا۔ ''آپ اپنی بات مکمل کرلیں، اس کے بعد میں سوال کروں گا۔''

''اوکاڑہ کے جیل حکام کے مطابق، وہ لوگ چند روز میں ہاشو کو اٹک جیل میں منتقل کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔'' امداد علی ٹھہرے ہوئے لہجے میں بولا۔ ''اور یہ بات ہاشو کے علم میں بھی آچکی ہے۔ وہ کم وبیش پندرہ ماہ سے اوکاڑہ جیل میں ہے لیکن اس دوران میں اس کے نام کی کوئی چٹھی آئی اور نہ ہی اس نے کسی کو کوئی خط لکھا۔ یہ پہلا موقع ہے کہ ہاشو نے اپنے دوست خوشیا کو خفیہ پیغام والی یہ چٹھی لکھی ہے......''

لحاتی توقف کرکے اس نے ایک گہری سانس خارج کی پھر اسی سیاہ چرمی بیگ میں سے ایک کاغذ نکال کر میری جانب بڑھاتے ہوئے کہا۔

''اصل چٹھی ادھر ہیڈ کوارٹر میں ہے۔ اس چٹھی کی تحریر کو لفظ بہ لفظ اس کاغذ پر لکھا گیا ہے تاکہ آپ کو اس معاملے کی سنگینی کا احساس ہوجائے۔ آپ خود پڑھ کر دیکھ سکتے ہیں......!''

میں نے امداد علی کا دیا ہوا وہ کاغذ بڑی توجہ سے پڑھا۔ اس کاغذ کی تحریر کچھ اس طرح تھی ...... ''خوشیا! میرے قابلِ اعتماد افراد میں ایک تم ہی باقی بچے ہو اور تم جانتے ہو کہ مجھے عمر قید کی سزا ہوچکی ہے۔ مجھے اپنے ذرائع سے پتا چلا ہے کہ یہ لوگ ٹھیک دس دن کے بعد یہاں سے مجھے اٹک جیل بھیج دیں گے۔ میں نہیں جانتا کہ اٹک جیل سے کبھی زندہ باہر نکل بھی سکوں گا۔ اگر تم میرے لیے کچھ کرسکتے ہو تو یہ آخری موقع ہے۔ تم اپنے جتھے کے ساتھ تیاری پکڑلو۔ جیل حکام جیسے ہی مجھے یہاں سے باہر نکالیں، تم لوگ ہنگامی کارروائی کرکے مجھے چھڑالینا۔ میں نے سارا پیلا اناج اوکاڑہ کے ایک گاؤں چک بیالیس والے کچے راستے کے کنارے واقع حیدر علی نامی ایک کاشت کار کی چار ایکڑ زرعی اراضی میں دبا رکھا ہے۔ اگر تم نے مجھے فرار ہونے میں مدد دی تو اس پیلے اناج میں سے آدھے کے تم حقدار ہوگے۔ یہ میرا تم سے وعدہ ہے اور تم اچھی طرح جانتے ہو کہ میں جو کہتا ہوں، وہ کرتا بھی ہوں۔''

میں نے دو تین بار اس تحریر کو پڑھا پھر سوچ میں ڈوبے ہوئے لہجے میں کہا۔ ''پیلا اناج...... مطلب سونا اور طلائی زیورات!''

''جی ملک صاحب!'' وہ اثبات میں گردن ہلاتے ہوئے بولا۔

''ہاشو ڈاکو زیادہ تر طلائی زیورات اور نقدی لوٹنے کے لیے ہی مشہور ہے۔ مجھے یقین ہے کہ حیدر علی کی زمین کی کھدائی میں سونے کی اینٹوں، طلائی زیورات کے علاوہ موم جامے میں لپٹے ہوئے کرنسی نوٹ بھی وافر تعداد میں ہمارے ہاتھ لگیں گے۔''

''آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں امداد علی!'' میں نے گہری سنجیدگی سے کہا۔ ''اس خط کی تحریر یہ بھی بتاتی ہے کہ خوشیا نامی وہ شخص بھی ہاشو کا ہم قماش ہے، یعنی ایک جرائم پیشہ آدمی ...... چور، ڈاکو، لٹیرا اور قاتل......!''

''آپ کا اندازہ بالکل درست ہے ملک صاحب!'' وہ تائیدی انداز میں گردن ہلاتے ہوئے بولا۔ ''اسی لیے تو ہاشو نے اسے اپنے فرار کا مشن سونپا ہے۔''

میں نے ایک فوری خیال کے تحت امداد علی سے سوال کیا۔ ''کیا آپ مجھے بتاسکتے ہیں کہ ہاشو نے خوشیا کا ایڈریس کیا لکھا تھا؟''

''خوشی محمد تیلی عرف خوشیا۔ موضع کنگن پور، ڈاک خانہ چیچہ وطنی، ضلع ساہیوال......'' اس نے جواب دیا۔

اگر ملتان سے لاہور کی سمت سفر کریں تو خانیوال، تلمبہ، کچا کھوہ، میاں چنوں، چیچہ وطنی، ہڑپہ اور ساہیوال کے بعد اوکاڑہ آتا ہے۔ میں نے سب انسپکٹر سے پوچھا۔

''امداد علی! ایک خطرناک مجرم اور ہاشو کے یارِ غار خوشیا کی لوکیشن کا پتا چل چکا ہے۔ کیا اس کے خلاف کسی فوری قانونی کارروائی کا فیصلہ کیا گیا ہے؟''

''پولیس ڈیپارٹمنٹ نے دو فیصلے ایک ساتھ کیے ہیں ملک صاحب۔'' اس نے معتدل انداز میں بتایا۔ ''ڈسٹرکٹ ہیڈ کوارٹر نے اوکاڑہ کے جیل حکام کو ہدایت دی ہے کہ وہ لوگ فوری طور پر ہاشو کو اٹک جیل منتقل کردیں۔ اس کام کے لیے دس دن تک انتظار کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اس کے ساتھ ہی خوشیا کی فوری گرفتاری کے لیے چیچہ وطنی کی پولیس کو ہوشیار باش کردیا گیا ہے اور اگر ہم......'' وہ سانس ہموار کرنے کے لیے متوقف ہوا پھر اپنی بات مکمل کرتے ہوئے بولا۔

''اگر ہم ابھی کھدائی کا کام شروع کردیں تو مجھے امید ہے کہ آج کا سورج غروب ہونے سے پہلے ہاشو کے پیلے اناج کو زمین کے پیٹ سے باہر نکالا جاسکتا ہے۔ زچہ اور بچہ

ہم سے زیادہ دور نہیں ہیں تو...... ڈیلیوری کے عمل کے لیے آپریشن تھیٹر کا رخ کریں ملک صاحب......؟"

میں امداد علی کی تجویز سے صد فیصد متفق تھا لہٰذا میں نے گردن کی پُرعزم اثباتی جنبش پر اکتفا کیا۔

☆☆☆

چک بیالیس میرے تھانے سے محض ڈیڑھ میل کے فاصلے پر جنوب مشرق میں واقع تھا۔ وہاں تک پہنچنے میں ہمیں چند منٹ ہی لگنا تھے۔ تھانے سے رخصت ہونے سے پہلے میں نے اے ایس آئی حامد مغل کو اپنے پاس بلا لیا۔ حامد کی عمر کم و بیش چالیس سال رہی ہوگی۔ وہ ایک مستعد اور بیدار مغز پولیس اہلکار تھا۔

"جی ملک صاحب......!" حامد مغل نے میرے سامنے حاضر ہونے کے بعد مؤدبانہ لہجے میں کہا۔ "سر! حکم کریں۔"

میں نے امداد علی اور خادم حسین کا مختصر سا تعارف کرانے کے بعد کہا۔ "یہ لوگ ہمارے مہمان ہیں اور ڈسٹرکٹ ہیڈ کوارٹر سے آئے ہیں۔ یہ چند روز ہمارے پاس قیام کریں گے۔ ان کے رہنے سہنے اور کھانے پینے کا بندوبست تم نے کرنا ہے۔ میری بات سمجھ رہے ہو نا؟"

"اچھی طرح سمجھ گیا ملک صاحب۔" وہ مضبوط لہجے میں بولا۔ "آپ بالکل بے فکر ہو جائیں۔ میں سب دیکھ لوں گا۔"

"دوسری بات یہ کہ میں ابھی مہمانوں کے ساتھ ذرا چک بیالیس تک جا رہا ہوں، لہٰذا میری غیر موجودگی میں تھانے کے معاملات بھی تمہیں ہی سنبھالنا ہیں۔" میں نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔ "ہو سکتا ہے مجھے واپسی میں دیر ہو جائے۔ اگر خدانخواستہ ایمرجنسی کی کوئی صورت حال سامنے آ جائے تو تم کسی کو میری جانب بھیج دینا۔"

"انشاء اللہ! سب ٹھیک رہے گا۔" وہ بڑے اعتماد سے بولا۔ "بہرحال میں پھر بھی آپ کی ہدایات کے مطابق ہی عمل کروں گا۔ ویسے......" اس نے بات ادھوری چھوڑ کر سوالیہ نظر سے مجھے دیکھا اور پوچھا۔ "ادھر چک بیالیس میں سب خیریت تو ہے نا؟"

"ہاں، ہاں...... پریشانی والی کوئی بات نہیں۔" میں نے سرسری انداز میں کہا۔ "ان مہمانوں کو وہاں ایک دو ضروری کام ہیں۔ میں واپس آ کر تمہیں سب بتا دوں گا۔"

اے ایس آئی کے چہرے کے تاثرات سے تو یہی لگ رہا تھا کہ میرا جواب اسے ہضم نہیں ہوا۔ وہ خاصا غیر مطمئن نظر آتا تھا تاہم اس نے کسی کرید یا ٹٹول کے بجائے مصلحت آمیز انداز میں کہا۔

"ٹھیک ہے ملک صاحب! آپ مطمئن ہو کر جائیں۔ میں تھانے کے معاملات کو بہ آسانی ہینڈل کر لوں گا۔"

آئندہ دس منٹ کے بعد میں مہمانوں کے ساتھ ایک تانگے پر سوار ہو کر چک بیالیس کی جانب روانہ ہو چکا تھا۔ ہم وہاں پر کسی حیدر علی کاشت کار کی زمین میں کھدائی کرنے جا رہے تھے لیکن میں نے اپنے ساتھ کسی قسم کا کوئی آلۂ کھدائی نہیں رکھا تھا۔ ہمیں جو کچھ بھی کرنا تھا، وہیں پہنچ کر کرنا تھا۔

تھانے سے جنوب مشرق کی سمت سفر کرتے ہوئے ہم چک بیالیس پہنچ گئے۔ ہاشو ڈکیت کے خط میں جس کچے راستے کا ذکر تھا ہم اسی کے ذریعے وہاں پہنچے تھے۔ مذکورہ راستہ کھیتوں کے اندر سے گزرتے ہوئے چک بیالیس تک جاتا تھا اور پھر گاؤں کے پہلو کے ساتھ ساتھ وہ آگے ہی آگے بڑھتا چلا جاتا تھا۔

چک بیالیس کم و بیش ڈیڑھ سو مکانوں کا ایک متوسط آبادی والا گاؤں تھا۔ ایک محتاط اندازے کے مطابق اس گاؤں میں بسنے والے افراد کی تعداد پانچ سو رہی ہوگی۔ جیسا کہ میں نے ابتدا میں بتایا، گندم کی کٹائی اختتامی مراحل میں داخل ہو چکی تھی اس لیے کھیتوں میں اِدھر اُدھر کسان و دیگر کھیت مزدور نظر آ رہے تھے۔

"چاچا! تانگے کو ایک طرف روک دو!" میں نے تحکمانہ انداز میں کوچوان مختار احمد سے کہا۔

کوچوان نے فوراً میرے حکم کی تعمیل کی اور تانگے کو بہ آہستگی کچے راستے کے کنارے پر روک دیا۔ میں تانگے سے نیچے اتر آیا۔ مہمان سب انسپکٹر امداد علی اور اس کے ساتھی کانسٹیبل خادم حسین نے بھی میری تقلید میں تانگے کو خیرباد کہہ دیا۔ وہ دونوں مہمان سول ڈریس میں تھے جبکہ میں نے پولیس کی مکمل یونیفارم زیبِ تن کر رکھی تھی لہٰذا وہاں آس پاس موجود تمام افراد اپنا کام کاج چھوڑ کر ہماری طرف متوجہ ہو گئے۔

میں نے ایک ادھیڑ عمر شخص کو اشارے سے اپنے پاس بلا لیا۔ مذکورہ بندہ فوراً سے پیشتر میرے نزدیک پہنچ گیا اور بڑے ادب سے بولا۔

"حکم کریں تھانے دار صاحب......!"

"چاچا! تمہارا نام کیا ہے؟" میں نے پوچھا۔

اس نے جواب دیا۔ "مشتاق جٹ۔"

"مشتاق! کیا تم چک بیالیس ہی کے وسنیک ہو؟"

"جی ہاں مائی باپ......" وہ اثبات میں گردن

ہلاتے ہوئے بولا۔ ''باپ دادا کے زمانے سے ہم لوگ ادھر ہی رہتے ہیں۔''

''مجھے بتاؤ حیدر علی کی چار ایکڑ زمین کس طرف ہے؟'' میں نے مشتاق جٹ کے چہرے پر نگاہ جماتے ہوئے سوال کیا۔

وہ نزدیک ہی ایک طرف اشارہ کرتے ہوئے بولا۔ ''وہ آپ کے تانگے کے پاس ہی کچے راستے کے ساتھ لگے ہوئے ایک سیدھ میں جو چار کھیت نظر آرہے ہیں، وہ زمین حیدر علی کی ملکیت ہے۔''

میں نے مختار احمد کو جس جگہ تانگا روکنے کے لیے کہا تھا، وہ مقام حیدر علی کی مبینہ زمین سے چند گز کی دوری پر تھا۔ وہ چاروں کھیت ایک بیلٹ کی صورت میں کچے راستے کے کنارے واقع تھے۔

''مشتاق! مجھے آٹھ دس لوگ چاہئیں۔'' میں نے مشتاق جٹ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ''تم ایسے افراد کو جمع کر کے یہاں لے آؤ جن کے پاس کدالیں، پھاوڑے، بیلچے، کسیاں اور دیگر آلاتِ کھدائی موجود ہوں۔ میں ان سے حیدر علی کی زمین پر کچھ کام کروانے کا ارادہ رکھتا ہوں۔ کیا تم یہ کرلو گے؟''

''جی بالکل...... میں کرلوں گا۔'' وہ جلدی سے بولا۔ ''اس وقت سب لوگ کھیتوں میں موجود ہیں اور ان کے پاس زمین کھودنے والے مختلف آلات بھی ہیں مگر......؟''

وہ بات ادھوری چھوڑ کر الجھن زدہ نظر سے مجھے تکنے لگا۔ میں نے قدرے نرم لہجے میں استفسار کیا۔

''مگر کیا مشتاق......؟''

''تھانے دار صاحب......'' وہ ڈرتے ڈرتے لب کشا ہوا۔ ''آپ حیدر علی کی زمین میں کھدائی کیوں کروانا چاہتے ہیں......؟''

یہ بات پہلے سے میری کھوپڑی میں موجود تھی کہ موقع پر کہیں سے اس قسم کا کوئی سوال آسکتا ہے لہٰذا میں نے اس کا جواب بھی سوچ رکھا تھا۔ میں نے وہی جواب مشتاق جٹ کے سامنے دہرا دیا۔

''مجھے باخبر ذرائع سے پتا چلا ہے کہ ایک خطرناک مجرم نے کسی کو قتل کر کے اس کی لاش کو حیدر علی کے کھیتوں میں دبا دیا ہے۔'' میں نے مشتاق جٹ کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے گہری سنجیدگی سے کہا۔ ''میں اسی لاش کو بازیاب کرنے یہاں آیا ہوں۔''

''لیکن......'' مشتاق جٹ کی الجھن حیرت میں بدل گئی۔ ''یہاں چک بیالیس میں تو قتل کی کوئی واردات نہیں ہوئی۔ اگر ایسا کوئی واقعہ پیش آیا ہوتا تو مجھے ضرور خبر ہوتی۔ ہمارا یہ چک ایک چھوٹا سا گاؤں ہے۔ کسی بھی اچھی بری خبر کو پورے گاؤں میں گردش کرنے میں چند منٹ لگتے ہیں......''

''مشتاق جٹ! تم بالکل ٹھیک کہہ رہے ہو۔'' میں نے اس کی بات کی تائید کرتے ہوئے کہا۔ ''اصل میں قاتل اور مقتول دونوں میں سے کوئی بھی چک بیالیس کا وسنیک نہیں ہے اسی لیے یہاں پر کسی کو اس واقعے کا علم نہیں......''

''اچھا جی......'' وہ آنکھیں گھماتے ہوئے بولا۔ ''تو یہ بات ہے!''

''بالکل یہی بات ہے۔'' میں نے سر کو اثباتی جنبش دی اور اضافہ کرتے ہوئے کہا۔ ''اب تم کام سے لگ جاؤ...... جلدی۔''

''ٹھیک ہے جناب!'' وہ فرماں برداری سے بولا۔

مشتاق جٹ کے جانے کے بعد میں دونوں مہمانوں کے ساتھ حیدر علی کی زمین کی جانب بڑھ گیا۔ دو منٹ سے بھی پہلے ہم مذکورہ چار ایکڑ زرعی اراضی کے اندر کھڑے تھے۔ وہ زرعی اراضی اس وقت ''زراعت'' کی عملی تفسیر سے بہت دور تھی۔

''ملک صاحب!'' امداد علی نے زمین کی حالت کو دیکھنے کے بعد گہری سنجیدگی سے کہا۔ ''مجھے تو لگتا ہے، حیدر علی نے اس سال گندم کی فصل نہیں لی۔ ان چاروں کھیتوں میں کہیں بھی کاشت کاری کے آثار نظر نہیں آرہے۔ آپ خود دیکھ لیں......''

''امداد علی! میں نے اس زمین پر قدم رکھتے ہی سب کچھ دیکھ لیا تھا۔'' میں نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔ ''آپ صرف گندم کی فصل کی بات کررہے ہیں لیکن میں کاشت کاری کا جتنا بھی تجربہ رکھتا ہوں، اس کی روشنی میں بڑے وثوق سے کہہ سکتا ہوں کہ اس زمین پر پچھلے دو تین سال سے کسی بھی قسم کی کوئی فصل نہیں اگائی گئی۔ یہ زمین کافی عرصے سے عدم کاشت کاری کا شکار ہے؟''

''آپ بالکل ٹھیک کہہ رہے ہیں ملک صاحب!'' کانسٹیبل خادم حسین نے ہماری گفتگو میں حصہ لیتے ہوئے کہا۔ ''میں آپ سے مکمل اتفاق کرتا ہوں۔''

تھانے میں خادم حسین نے گویا چپ شاہ کا روزہ رکھا ہوا تھا مگر چک بیالیس کی کھلی فضا میں آتے ہی اس نے بھی اپنا کھاتا کھول لیا تھا۔

آئندہ دس منٹ کے اندر بارہ افراد، میرے حکم پر

مختلف قسم اور ساخت کے آلاتِ کھدائی کی مدد سے حیدر علی کی زمین پر مصروفِ عمل ہو چکے تھے۔ دوپہر تک انہوں نے ایک ایکڑ کا تقریباً ایک چوتھائی کھود ڈالا تاہم اس کھدائی میں سے کچھ بھی ہاتھ نہ لگا حالانکہ میری ہدایت پر انہوں نے خاصی گہرائی تک کھدائی کی تھی۔ اس موقع پر ایک کسان اجمل مہر نے کہا۔

''تھانے دار صاحب! اس طرح چار ایکڑ زمین کھودنے میں تو کئی دن لگ جائیں گے۔ میرا مشورہ یہی ہے کہ کل صبح چار بندوں کو الگ الگ کھیت میں ہل چلانے کو کہیں۔ اس طریقے سے وہ شام تک چاروں کھیتوں کو کھود ڈالیں گے۔ ہل کی مدد سے زمین کی کھدائی بہت آسان ہو جاتی ہے۔''

اجمل مہر کی تجویز میں اچھا خاصا وزن تھا۔ سب انسپکٹر امداد علی نے اس سے پوچھا۔ ''اس نیک کام کے لیے کل صبح انتظار کیوں کیا جائے۔ کیا ابھی ہل جوتنے میں کوئی حرج ہے؟''

''حرج تو کوئی نہیں جناب ......'' اجمل مہر وضاحت کرتے ہوئے بولا۔ ''ہم صبح سورج طلوع ہونے سے بھی پہلے کھیتوں میں آ گئے تھے اور اس وقت سے اب تک مسلسل کام کر رہے ہیں۔ اوپر سے گرمی کا اندازہ آپ خود لگا لیں۔ ہماری ہمت آخری دموں پر ہے جی ...... امید ہے آپ میری بات سمجھ گئے ہوں گے ......!''

''ہوں ......'' امداد علی نے پُرسوچ انداز میں میری طرف دیکھا اور پوچھا۔ ''آپ کیا کہتے ہیں ملک صاحب؟''

میں نے اجمل مہر سے سوال کیا۔ ''کیا چک بیالیس میں کسی کے پاس کوئی ٹریکٹر ہے؟''

''اس گاؤں میں صرف ایک ہی ٹریکٹر ہے تھانے دار صاحب ......'' اجمل مہر نے جواب دیا۔ ''اور وہ چودھری صاحب کے پاس ہے۔''

چک بیالیس کے چودھری کا نام تھا عبدالرحمٰن۔ وہ پچاس سال کا ایک صحت مند شخص تھا۔ ایک آدھ بار میری اس سے ملاقات ہو چکی تھی جو قلیل المدت ملاقات کے زمرے میں آتی تھی۔ اس سے پہلے کہ میں چودھری عبدالرحمٰن اور اس کے ٹریکٹر کے حوالے سے مزید کوئی بات کرتا، ایک بندے نے گاؤں کی جانب دیکھتے ہوئے بہ آوازِ بلند کہا۔

''لو جی ...... چودھری صاحب تو اسی طرف آ رہے ہیں۔''

میں نے مذکورہ شخص کی نظر کا تعاقب کیا تو مجھے دو گھڑ سوار اپنی جانب آتے دکھائی دیے جن میں سے ایک چودھری عبدالرحمٰن اور دوسرا اس کا کوئی حاشیہ بردار تھا۔

میں نے دو گھنٹے پہلے ان کھیت مزدوروں اور کسانوں کو اس کھدائی کے حوالے سے لاش کو دفن کرنے کی جو کہانی سنائی تھی، چودھری کے سامنے بھی میرا ارادہ وہی کہانی فٹ کرنے کا تھا لیکن موقع محل کی مناسبت کو دیکھتے ہوئے ضروری ترمیم و اضافے کے ساتھ۔

''امداد علی!'' میں نے مہمان سب انسپکٹر سے کہا۔ ''آپ ان لوگوں کے ساتھ موجود رہیں، میں ذرا علیحدگی میں چودھری عبدالرحمٰن سے ملاقات کر کے آتا ہوں۔ آپ سمجھ سکتے ہیں کہ ہمیں اپنے مشن کے حوالے سے ان کسانوں کے سامنے زیادہ بات نہیں کرنا چاہیے۔''

''ہاں ...... میں آپ کی بات کو اچھی طرح سمجھ رہا ہوں۔'' وہ اثبات میں گردن ہلاتے ہوئے بولا۔ پھر تشویش بھرے انداز میں استفسار کیا۔ ''کیا آپ چودھری کو اس کھدائی کے اصل مقصد سے آگاہ کر دیں گے؟''

''ہرگز نہیں!'' میں نے پوری قطعیت سے کہا۔ ''وہ ایسا معاملہ نہیں ہے کہ اسے یوں طشت از بام کر دیا جائے۔ یہ ایک محکمہ جاتی راز ہے جس کی حفاظت کی ہر ممکنہ کوشش کی جائے گی۔ آپ کو اس حوالے سے فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں۔''

''ٹھیک ہے ......'' وہ مطمئن انداز میں گردن ہلاتے ہوئے بولا۔ ''آپ چودھری کی طرف جائیں۔ وہ بہت قریب پہنچ چکا ہے۔''

میں نے اثبات میں گردن ہلانے پر اکتفا کیا۔

☆☆☆

ہمارا تانگا حیدر علی کی اراضی سے لگ بھگ سو گز کے فاصلے پر کھڑا تھا۔ گھوڑے پر سوار چودھری عبدالرحمٰن اور میں ایک ساتھ ہی تانگے کے نزدیک پہنچے تھے۔ وہ مجھ پر نگاہ پڑتے ہی چہک کر بولا۔

''آ خاہ ...... ملک صاحب تشریف لائے ہیں۔ آپ نے اپنی آمد کی اطلاع تو نہیں دی لیکن دیکھیں، میں آپ کے استقبال کے لیے حویلی سے نکل کر خود یہاں آ گیا ہوں۔''

''یہ تو آپ کا بڑا پن ہے چودھری صاحب!'' میں نے معتدل انداز میں کہا۔

رسمی علیک سلیک کے بعد اس نے کریدنے والے انداز میں پوچھا۔ ''ملک صاحب! سب خیریت تو ہے نا۔ یہ اچانک حیدر علی کی زمین کی کھدائی کس سلسلے میں ......؟''

''جس مخبر نے آپ کو یہاں میری موجودگی کے بارے میں بتایا ہے، اس نے میری آمد اور اس کھدائی کے بارے

میں بھی یقیناً کچھ بیان کیا ہوگا۔'' میں نے چودھری کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے ذومعنی انداز میں کہا۔''ہیں نا......؟''

وہ جلدی سے پلکیں جھپکاتے ہوئے بولا۔''مجھے جو کچھ پتا چلا ہے، میں اسی کی تصدیق کے لیے یہاں آیا ہوں......'' پھر وہ سادہ لباس مہمانوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے مستفسر ہوا۔''یہ دونوں بندے میرے لیے اجنبی ہیں۔کون ہیں یہ لوگ؟''

''ان کا تعلق محکمۂ پولیس سے ہے چودھری صاحب!'' میں نے جزوی صاف گوئی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا۔''یہ دونوں ہیڈ کوارٹر سے بھیجے گئے ہیں اور انہی کی فراہم کردہ معلومات کی روشنی میں یہاں کھدائی کا کام شروع کیا گیا ہے مگر اس سلسلے میں ہمیں ایک پریشانی کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔خیر......'' میں نے لمحاتی توقف کرکے ایک آسودہ سانس خارج کی پھر اضافہ کرتے ہوئے پوچھا۔

''اس کھدائی کے بارے میں آپ تک کیا خبر پہنچائی گئی تھی؟''

''یہی کہ......'' وہ میرے سوال کے جواب میں بتانے لگا۔''آپ کو کہیں سے پتا چلا ہے کہ کسی نے کسی کو قتل کرکے اس کی لاش حیدر علی کے کھیتوں میں دبادی ہے۔آپ اس لاش کی برآمدگی کے لیے یہ کھدائی کروا رہے ہیں......''

''اور آپ کو اس بات پر یقین نہیں آیا تھا......'' میں نے چودھری عبدالرحمٰن کے چہرے کے تاثرات کا جائزہ لیتے ہوئے کہا۔''اسی لیے آپ اس خبر کی تصدیق کرنے خود یہاں چلے آئے؟''

''سچی بات پوچھیں تو...... ہاں!'' وہ اپنے ساتھ آئے ہوئے بندے کو آنکھ سے دور ہٹنے کا اشارہ کرتے ہوئے بولا۔''مجھے واقعی اس کہانی پر یقین نہیں آیا تھا۔''

چودھری کا اشارہ پاکر اس کا ''باڈی گارڈ'' اپنے گھوڑے کو بہ آہستگی چلاتے ہوئے تھوڑے فاصلے پر چلا گیا۔میں نے بھی کوچوان مختار احمد سے کہہ دیا کہ وہ ادھر مہمانوں کے پاس چلا جائے۔میں نے بڑے واضح انداز میں یہ محسوس کرلیا تھا کہ چودھری مجھ سے تنہائی میں بات کرنا چاہتا ہے۔

''چودھری صاحب!'' میں نے دوستانہ انداز میں کہا۔''آئیں تانگے میں بیٹھ کر بات کرتے ہیں۔''

اس نے میری تجویز پر صاد کیا اور گھوڑے سے اتر کر میرے ساتھ چل پڑا۔چند سیکنڈ کے بعد ہم دونوں تانگے کے اگلے حصے میں پہلو بہ پہلو بیٹھے ہوئے تھے۔وہ گہری سوچ میں ڈوبا دکھائی دیتا تھا۔

''جی چودھری صاحب......!'' میں نے متعدل انداز میں کہا۔''آپ بتائیں، آپ کے ذہن میں کیا چل رہا ہے۔آپ کس خیال سے یہاں آئے تھے؟''

''میں یہ سمجھا تھا کہ شاید حیدر علی نے اپنی زمین بیچنے کا فیصلہ کرلیا ہے۔'' وہ گمبھیر انداز میں گویا ہوا۔''آپ کے ساتھ جو دو سادہ لباس افراد ہیں وہ اس زمین کے خریدار بن کر آئے ہیں اور آپ دونوں پارٹیوں میں کوئی ڈیل کروانے والے ہیں۔میں اس گاؤں کا چودھری ہوں۔میں یہ کس طرح برداشت کرسکتا ہوں کہ میرے جیتے جی باہر کا کوئی آدمی یہاں کی زمین خریدے۔اس گاؤں کا کوئی بھی وسنیک اگر اپنی زمین بیچنا چاہے گا تو اس قطعۂ اراضی کا پہلا خریدار میں ہی ہوں گا۔آپ میری بات تو سمجھ ہی گئے ہوں گے؟''

''بڑی اچھی طرح سمجھ گیا ہوں چودھری صاحب!'' میں نے اثبات میں گردن ہلاتے ہوئے کہا۔''آپ جو کچھ فرما رہے ہیں، اگرچہ یہ کوئی اصول نہیں ہے لیکن پھر بھی آپ کافی حد تک ٹھیک ہی کہہ رہے ہیں۔بہرحال، اگر آپ کے خدشے کو تھوڑی دیر کے لیے درست مان لیا جائے تو پھر چند چیزیں میری سمجھ میں بالکل نہیں آرہیں۔''

''مثلاً کون سی چیزیں ملک صاحب؟'' اس نے بھویں سکیڑ کر مجھ سے پوچھا۔

''نمبر ایک۔اگر حیدر علی نے واقعتاً اپنی زمین فروخت کرنے کا ارادہ کرلیا ہے تو پھر وہ آپ کو اس معاملے سے لاعلم رکھنے کی جرأت کیسے کرسکتا ہے۔اس چک میں بسنے والا ہر شخص آپ کی رعایا کا درجہ رکھتا ہے!'' میں نے چودھری عبدالرحمٰن کے استفسار کا جواب دیتے ہوئے کہا۔''نمبر دو۔میں اس علاقے کا تھانہ انچارج ہوں۔آپ نے مجھے کوئی رئیل اسٹیٹ ایجنٹ کیسے سمجھ لیا جو میں دو پارٹیوں کی ڈیل کرانے یہاں چلا آیا ہوں؟ نمبر تین۔کسی زرعی اراضی کی خرید وفروخت میں بھلا اس زمین کی کھدائی کا کیا کام؟ نمبر چار......'' میں نے سانس ہموار کرنے کے لیے لمحاتی توقف کیا پھر اپنی بات مکمل کرتے ہوئے پوچھا۔

''آپ نے یہ کیسے سوچ لیا کہ حیدر علی اپنی چار ایکڑ زرعی اراضی فروخت کرنے جارہا ہے......؟''

''ملک صاحب! جب رعایا میں سے کسی کا دماغ خراب ہوجائے تو وہ بغاوت پر بھی تو اتر سکتا ہے۔'' وہ ٹھہرے ہوئے لہجے میں بولا۔''بہ خدا میں نے آپ کو کوئی پراپرٹی ڈیلر یا پٹواری نہیں سمجھا۔میں نے بھی سوچا تھا کہ

شاید خریدار پارٹی سے آپ کے ذاتی مراسم ہیں اس لیے آپ ساتھ آگئے ہیں۔ باقی رہی زمین کی کھدائی کی بات تو حیدر علی کی یہ زمین پچھلے دو سال سے ایسے ہی پڑی ہے۔ یہاں پر کسی قسم کی کاشت کاری نہیں کی گئی۔ ایسی زمینوں کے خریدار عموماً اس کی مٹی کا لیبارٹری ٹیسٹ کرانا بھی ضروری سمجھتے ہیں، خاص طور پر شہروں میں رہنے والے تعلیم یافتہ لوگ......اور آپ کا آخری سوال......''

وہ ذرا دیر کو تھا پھر ایک بوجھل سانس خارج کرتے ہوئے بولا۔ ''آج کل شاداں کے گھریلو حالات بہت خراب ہیں۔ دو سال سے اس زمین پر کسی قسم کی کاشت کاری نہیں کی گئی۔ میرا خیال ہے، میں نے آپ کے تمام سوالوں کے جواب دے دیے ہیں۔''

''ایک لحاظ سے آپ کی بات درست ہے چودھری صاحب!'' میں نے معتدل انداز میں کہا۔ ''آپ نے واقعتاً میرے سوالات کے جواب تو دے دیے ہیں مگر آپ کے ان جوابات کے اندر سے کچھ نئے سوالات سر اٹھا کر کھڑے ہو گئے ہیں۔''

''مثلاً کون سے نئے سوالات؟'' وہ الجھن زدہ نظر سے مجھے تکنے لگا۔

''میں زیادہ تفصیل میں جا کر آپ کا اور اپنا قیمتی وقت برباد نہیں کروں گا چودھری صاحب!'' میں نے گمبھیر انداز میں کہا۔

''بس آپ مجھے اتنا بتا دیں کہ حیدر علی کا دماغ خراب ہونے کا سبب کیا ہو سکتا ہے؟ وہ بغاوت پر کیوں اتر سکتا ہے اور یہ کہ اس نے پچھلے دو سال سے اپنی زمین میں ہل کیوں نہیں چلایا؟ شاداں کون ہے؟ اس کے گھریلو حالات کا کیا معاملہ ہے اور......شاداں کا حیدر علی سے کیا تعلق ہے؟''

''حیدر علی، شاداں کا گھر والا اور اس کے تین بچوں کا باپ ہے ملک صاحب......'' چودھری عبدالرحمٰن نے انکشاف انگیز لہجے میں بتایا۔ ''وہ گزشتہ دو سال سے جیل میں ہے۔''

''یہ......آپ کیا......کہہ رہے......ہیں......؟'' میں نے سرسراتی ہوئی آواز میں استفسار کیا۔

''میں حقیقت بیان کر رہا ہوں ملک صاحب!'' وہ گہری سنجیدگی سے بولا۔ ''آپ اس علاقے میں نئے ہیں، شاید اسی لیے آپ کو حیدر علی کے بارے میں زیادہ معلومات نہیں ہیں۔''

''حیدر علی کس جرم کی سزا کاٹ رہا ہے؟'' میں نے اضطراری انداز میں پوچھا۔

چودھری نے میرے استفسار کے جواب میں جو کچھ بتایا، میں اس کا خلاصہ آپ کی خدمت میں پیش کرتا ہوں۔

حیدر علی ایک امن پسند انسان تھا۔ اس کی توجہ کا مرکز و محور یا تو اس کے بیوی بچے تھے اور یا پھر کاشت کاری۔ وہ دن بھر اپنی چار ایکڑ زمین میں مصروفِ کار رہتا اور شام میں سیدھا اپنے گھر چلا جاتا۔ اس کا چک کے دوسرے لوگوں کے ساتھ ملنا جلنا واجبی سا......بس سلام دعا کی حد تک تھا۔ اس کے سب سے اچھے تعلقات تھے مگر وہ گپیں لڑانے کے لیے کسی کے پاس گھنٹوں نہیں بیٹھتا تھا۔ بنیادی طور پر حیدر علی اپنے کام سے کام رکھنے والا ایک سنجیدہ اور خاموش طبع انسان تھا۔ اس کی اور اس کے بیوی بچوں کی گزر بسر کے لیے وہ چار ایکڑ اراضی کافی تھی۔ اس سے زیادہ کی انہیں ہوس تھی اور نہ ہی لالچ......!

سب کچھ ٹھیک ٹھاک چل رہا تھا کہ حیدر علی کی ماکھا نامی ایک شخص سے ان بن ہو گئی۔ ماکھا کا اصلی نام حبیب تھا اور وہ خاصا بدتمیز انسان تھا۔ ان دونوں کے بیچ دو تین بار زبانی کلامی جھڑپیں ہوئیں پھر ایک روز ہاتھا پائی کی نوبت آگئی اور حیدر علی نے ایک بیلچہ اٹھا کر ماکھا کے سر پر دے مارا۔ ماکھا لڑائی بھڑائی اور غنڈا گردی کا ماہر تھا اسی لیے خوش فہمی میں وہ مار کھا گیا۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ حیدر علی اس کے خلاف ایسا سنگین قدم بھی اٹھا سکتا ہے۔

حیدر علی نے ماکھا کے سر پر جو بیلچہ چلایا تھا، اس کی کاری ضرب نے ماکھا کی کھوپڑی کا سوا ستیا ناس مار ڈالا تھا۔ وہ اپنے ہی خون میں تر بتر زمین بوس ہو گیا۔ پھر اسے اپنے قدموں پر بھی کھڑا ہونا نصیب نہیں ہوا بلکہ وہ چار کندھوں پر سوار ہو کر وہاں چلا گیا تھا جہاں سے کبھی کوئی واپس نہیں آتا۔

حیدر علی کو ماکھا کے قتل کے الزام میں گرفتار کر لیا گیا۔ اس پر مقدمہ چلا۔ اس نے اپنے بیان میں سب کچھ سچ سچ بتا دیا تھا۔ مطلب یہ کہ وہ ماکھا کی جان لینے کا ارادہ نہیں رکھتا تھا۔ اس نے اپنے بچاؤ میں بیلچہ اٹھایا تھا۔ اسے بالکل اندازہ نہیں تھا کہ اس کی لگائی ہوئی چوٹ ماکھا کی موت کا سبب بن جائے گی۔ دونوں جانب کے گواہان کے بیانات سے عدالت نے یہ محسوس کر لیا تھا کہ حیدر علی ایک شریف النفس انسان اور ماکھا ایک غنڈا بدمعاش تھا۔ ملزم اور مقتول کے پس منظر کو مدِنظر رکھتے ہوئے عدالت نے حیدر علی کو پانچ سال کی سزا سنا دی۔ اس وقت وہ اوکاڑہ کی ڈسٹرکٹ جیل میں تھا۔ وہ اپنی سزا کے دو سال گزار چکا تھا۔

"مجھے شاداں پر بڑا ترس آتا ہے ملک صاحب!" داستان کے اختتام پر چودھری عبدالرحمٰن نے ہمدردی بھرے لہجے میں کہا۔ "گھر کا کمانے والا جیل چلا جائے تو زندگی کا شیرازہ بکھر کر رہ جاتا ہے۔ اس دوران میں، میں نے ایک دو بار شاداں کی مالی مدد کرنے کی بھی کوشش کی مگر اس نے میری خلوص بھری ہر کوشش کو ٹھکرا دیا۔"

"بعض لوگ بڑے خوددار اور انا پرست ہوتے ہیں چودھری صاحب......" میں نے سوچ میں ڈوبے ہوئے لہجے میں کہا۔ "وہ بھوک سے مرجانا گوارا کرلیتے ہیں مگر جیتے جی کسی کے سامنے دستِ سوال دراز نہیں کرتے۔"

"یہ تو سراسر بے وقوفی ہے ملک صاحب......" وہ جھنجلاہٹ آمیز لہجے میں بولا۔ "میں تو حیدر علی کے معصوم بچوں کے خیال سے ان کی مدد کرنا چاہتا تھا مگر بات شاداں کے پلے نہیں پڑی۔"

"چودھری صاحب! اس دنیا میں ہر طرح کے لوگ موجود ہیں۔" میں نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔ "ان میں سے بعض تو اتنے پیچیدہ ہوتے ہیں کہ انہیں سمجھنے یا انہیں سمجھانے میں دماغ کی چولیں ڈھیلی ہوجاتی ہیں......"

"آپ بالکل ٹھیک کہہ رہے ہیں ملک صاحب!" وہ تائیدی انداز میں گردن ہلاتے ہوئے بولا۔ "شاداں کا شمار بھی ایسے ہی ٹیڑھے لوگوں میں ہوتا ہے۔ میں نے پچھلے دنوں اڑتی اڑتی یہ خبر سنی تھی کہ شاداں معاشی حالات سے تنگ آکر اپنی زمین کو بیچنے کے بارے میں سوچ رہی ہے اسی لیے جب مجھے پتا چلا کہ دو اجنبی شخص آپ کے ساتھ حیدر علی کی زمین کا معائنہ کررہے ہیں تو میں یہی سمجھا کہ وہ دونوں اس زمین کے خریدار ہیں اور آپ کی موجودگی میں یہ ڈیل ہورہی ہے۔ خیر......" لمحاتی توقف کرکے اس نے ایک گہری سانس خارج کی پھر اضافہ کرتے ہوئے بولا۔

"ملک صاحب! تھوڑی دیر پہلے آپ نے کہا تھا کہ کھدائی کے کام کے سلسلے میں آپ کو پریشانی کا سامنا کرنا پڑرہا ہے۔ آپ مجھے اپنا مسئلہ بتائیں۔ اگر میرے بس میں ہوا تو ضرور آپ کے کام آؤں گا۔"

"یہ معاملہ مکمل طور پر آپ ہی کے بس میں ہے چودھری صاحب۔" میں نے عبدالرحمٰن کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔ "اگر یہ لوگ پھاؤڑے، کدال، بیلچے اور دیگر ایسے ہی آلات کی مدد سے کام کرتے رہے تو چار ایکڑ زمین کی کھدائی کے لیے کئی دن چاہییں ہوں گے جبکہ میں یہ سمجھتا ہوں کہ ٹریکٹر کی مدد سے یہی کام ایک آدھ دن میں نمٹایا جاسکتا ہے اور مجھے پتا چلا ہے کہ چک بیالیس میں صرف ایک ہی ٹریکٹر ہے جو کہ آپ کی ملکیت ہے......!"

"آپ بھی کمال کرتے ہیں ملک صاحب......!" وہ شکایت بھری نظر سے مجھے دیکھتے ہوئے بولا۔ "میری ہر چیز کو آپ اپنی ہی سمجھیں۔ آپ حکم کریں۔ میں ابھی ٹریکٹر کو ڈرائیور کے ساتھ یہاں بھیج دیتا ہوں۔ جب تک آپ کی ضرورت ہو، ڈرائیور اور ٹریکٹر دونوں کو اپنے پاس رکھیں۔"

"اس تعاون کا بہت شکریہ چودھری صاحب!" میں نے ممنونیت بھرے انداز میں کہا۔ "ٹریکٹر کی مدد سے اس زمین کی کھدائی بہت آسان ہوجائے گی۔ آج تو نہیں لیکن میرا خیال ہے کل دوپہر تک ہم اس مشن سے فارغ ہوجائیں گے۔"

"میں سمجھتا ہوں، مدفون لاش تک رسائی حاصل کرنے کے لیے ٹریکٹر کی مدد سے کی جانے والی کھدائی کافی نہیں رہے گی۔" چودھری عبدالرحمٰن نے گہری سنجیدگی سے کہا۔ "قاتل نے اپنے شکار کو ٹھکانے لگانے کے بعد اگر اسی زمین میں دفن کیا ہے تو آپ کو زیادہ گہرائی تک جانے کی ضرورت پیش آئے گی۔"

"میں آپ کی بات سے اتفاق کرتا ہوں چودھری صاحب!" میں نے تائیدی انداز میں گردن ہلاتے ہوئے کہا۔ "مجھے اپنے مقصد تک رسائی حاصل کرنے کے لیے جہاں تک بھی جانا پڑا، میں اس سفر میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کروں گا۔"

چودھری، حیدر علی کی خالی زمین پر تنقیدی نگاہ ڈالنے کے بعد خود کلامی کے انداز میں بولا۔ "اس زمین کی سطح پر مجھے کہیں بھی ایسے آثار دکھائی نہیں دے رہے کہ سوچا جاسکے، وہاں قاتل نے لاش کو دبایا ہوگا......؟" پھر وہ مجھ سے مستفسر ہوا۔ "ملک صاحب! آپ نے زمین کے جس حصے میں کھدائی کروائی ہے، کیا آپ کو وہاں ایسا کچھ نظر آیا تھا؟"

"نہیں چودھری صاحب......!" میں نے نفی میں گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

"اس کا مطلب یہ ہوا کہ قتل کی یہ واردات کافی عرصہ پہلے ہوئی تھی!" اس نے اظہارِ خیال کرتے ہوئے کہا۔

"آپ کا اندازہ بالکل درست ہے چودھری صاحب!" میں نے صورتِ حال کو سنبھالا دیتے ہوئے کہا۔ "یہ لگ بھگ ایک سال پہلے کا واقعہ ہے لیکن پولیس کو اس بارے میں حال ہی میں پتا چلا ہے۔ اگر ہم مقتول کی لاش کو یعنی اس کی بچی کچھی ہڈیوں کو بازیاب کرنے میں کامیاب

ہوجاتے ہیں تو اس کے بعد قاتل تک رسائی حاصل کرنا زیادہ مشکل ثابت نہیں ہوگا۔''

''ملک صاحب!'' وہ مجھ سے مخاطب ہوتے ہوئے مدبرانہ انداز میں بولا۔ ''میں آپ سے یہ تو نہیں پوچھوں گا کہ قاتل اور مقتول کون لوگ ہیں اور ان کے بیچ کس قسم کی دشمنی تھی لیکن مجھے آپ صرف اتنا بتادیں کہ کیا قتل کی یہ واردات کسی بھی حوالے سے چک بیالیس سے کسی نوعیت کا تعلق رکھتی ہے؟''

''ہرگز نہیں!'' میں نے پوری قطعیت سے جواب دیا۔ ''آپ کو اس سلسلے میں فکرمند ہونے کی قطعاً کوئی ضرورت نہیں ہے۔''

وہ ایک آسودہ سانس خارج کرتے ہوئے احسان مندانہ لہجے میں بولا۔ ''یہ کہہ کر آپ نے میرے ذہن کا بوجھ ہلکا کردیا ہے۔ میں چک بیالیس کا چودھری ہوں ملک صاحب۔ یہاں پر اور گاؤں کے گردونواح میں وقوع پذیر ہونے والے ہر اچھے برے واقعے کے بارے میں مکمل معلومات رکھنا میں اپنی ذمے داری سمجھتا ہوں اور ان تمام معاملات کو نمٹانا میرا فرض بنتا ہے۔ آپ نے اس کھدائی کا جو مقصد بیان کیا ہے اس کی وجہ سے میں خاصا پریشان ہوگیا تھا۔''

''اب تو آپ کی پریشانی ختم ہوگئی ہوگی؟'' میں نے سوالیہ نظر سے اس کی طرف دیکھا۔

''جی...... جی ہاں......!'' وہ جلدی سے بولا۔

''چودھری صاحب!'' میں نے اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے گہری سنجیدگی سے کہا۔ ''بعض محکمہ جاتی مجبوریوں کے باعث میں فی الحال آپ کو اس قتل کی واردات اور قاتل و مقتول کے بارے میں کچھ نہیں بتا سکتا لیکن آپ سے میرا یہ وعدہ ہے کہ اگر میں اس زمین کے پیٹ میں سے مقتول کی لاش کی باقیات کو نکالنے میں کامیاب ہوگیا تو پھر آپ سے میں یہ سنسنی خیز معلومات ضرور شیئر کروں گا......''

''میں آپ کی محکمہ جاتی مصلحتوں کو سمجھ سکتا ہوں ملک صاحب!'' وہ دونوں ہونٹ بھینچتے ہوئے پُرمعنی انداز میں بولا۔ ''اور میری اس کامیابی کا دارومدار براہ راست آپ کے تعاون پر ہے......'' میں نے بدستور اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے معنی خیز لہجے میں کہا۔ ''میرا اشارہ آپ کے ٹریکٹر کی طرف ہے چودھری صاحب......!''

''اوہ...... اچھا......'' وہ اضطراری انداز میں بولا۔

''میں ابھی دس منٹ میں اپنا ٹریکٹر یہاں بھیجتا ہوں......''

بات ختم کرتے ہی وہ تانگے سے اتر گیا پھر اپنے گھوڑے پر سوار ہوکر اس نے تنومند حاشیہ بردار کی معیت میں چک بیالیس کی راہ لی۔ میں ایک گہری سانس لے کر رہ گیا۔

☆☆☆

امریکی ساختہ طاقتور ''میسی فرگوسن'' ٹریکٹر نے سورج غروب ہونے سے پہلے ہی حیدر علی کی دو ایکڑ زمین کو ادھیڑ ڈالا تھا۔ سرخ رنگ کا یہ ٹریکٹر اپنے پیچھے بندھے ہوئے آہنی ہل کی مدد سے دھرتی کے سینے کو مسلسل اور بے دریغ چیرتا چلا جارہا تھا لیکن ابھی تک گوہر مقصود ہمارے ہاتھ نہیں لگا تھا۔ جب اندھیرا پھیلنے لگا تو میں نے کھدائی کا کام رکوادیا اور ٹریکٹر کے ڈرائیور کو اپنے پاس بلالیا۔

ڈرائیور کا نام طفیل عرف کھنڈی تھا۔ یہ وہی شخص تھا جو دوپہر میں چودھری عبدالرحمٰن کے ساتھ حیدر علی کے کھیتوں میں پہنچا تھا۔ بعد ازاں مجھے پتا چلا کہ کھنڈی، چودھری کا خاص آدمی تھا۔ مجھے یہ سمجھنے میں قطعاً کوئی دشواری محسوس نہیں ہوئی کہ چودھری اپنے اس وفادار ملازم کے ذریعے ہماری کارروائی پر گہری نگاہ رکھنے کا خواہش مند تھا اسی لیے اس نے ٹریکٹر کی ڈرائیوری کا کام کھنڈی کے سپرد کیا تھا۔

کھنڈی ایک ہٹا کٹا اور گینڈا صفت انسان تھا۔ اس کے چہرے پر ہلکی سی ڈاڑھی نظر آرہی تھی اور اس نے اپنے سر کو استرے کی مدد سے صاف کروا رکھا تھا۔ اس کی ٹنڈ چلچلاتی دھوپ میں لگاتار چمکتی اور پسینا اگلتی رہی تھی تاہم ایک لمحے کے لیے بھی مجھے کھنڈی کے چہرے پر کسی قسم کی بیزاری یا اس کی حرکات و سکنات سے کسی نوعیت کی تھکاوٹ جھلکتی دکھائی نہیں دی تھی۔ وہ بلاشبہ ایک جفاکش اور ہمت والا شخص تھا جس کے تن بدن میں بے پناہ طاقت بھری ہوئی تھی۔

''جی حکم تھانے دار صاحب......!'' وہ میرے سامنے باادب کھڑے ہوتے ہوئے بولا تھا۔

''کھنڈی! تم نے بڑی محنت سے کام کیا ہے۔'' میں نے توصیفی نظر سے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔ ''کیا تم اندازہ لگا سکتے ہو کہ کل باقی کی دو ایکڑ زمین میں ٹریکٹر چلانے میں کتنا وقت لگ جائے گا؟''

''اللہ آپ کا بھلا کرے......'' وہ اپنی ٹنڈ پر ہاتھ پھیرتے ہوئے بڑے اعتماد سے بولا۔ ''اگر ہم صبح سویرے کام شروع کردیں تو شام تک یہ دونوں کھیت بھی نمٹ جائیں گے۔''

''بس تو پھر ٹھیک ہے۔'' میں نے فیصلہ کن انداز میں کہا۔ ''میں کل کا سورج اگنے سے پہلے تمہیں اسی جگہ پر ملوں گا۔ کیا تم اتنی صبح ٹریکٹر کے ساتھ یہاں آسکتے ہو؟''

''کیوں نہیں سرکار......'' وہ اپنے چوڑے سینے کو تھپتھپاتے ہوئے بولا۔ ''چودھری صاحب نے آپ کے ساتھ میری ڈیوٹی لگائی ہے تو سمجھیں میں آپ کا غلام ہوں۔ آپ جب بلائیں گے، میں حاضر ہو جاؤں گا۔ اگر آپ کا حکم ہو تو میں ان کھیتوں میں رات بھر ٹریکٹر چلا سکتا ہوں۔ آپ کو جس چیز کی تلاش ہے، اگر وہ مل جائے تو مجھے خوشی ہوگی تھانے دار صاحب......!''

کھنڈی کے آخری جملے نے مجھے چونکنے پر مجبور کر دیا تھا تاہم میں نے اپنے احساسات کو چہرے یا آنکھوں سے ظاہر نہیں ہونے دیا تھا۔ اس نے ''جس چیز کی تلاش'' کے الفاظ استعمال کیے تھے اور اسی بات نے میرے ذہن میں خطرے کی گھنٹی بجادی تھی۔ میں نے چودھری کو یہی بتایا تھا کہ ہم حیدر علی کی زمین میں کسی مدفون لاش کی باقیات کو ڈھونڈ رہے ہیں۔ کھنڈی، چودھری عبدالرحمٰن کا خاص آدمی تھا۔ چودھری نے یقیناً اسے اس کھدائی کی غرض و غایت سے آگاہ کیا ہوگا۔ پھر وہ ''لاش'' کے بجائے ''چیز'' کی تلاش کا ذکر کیوں کر رہا تھا؟ کیا چودھری کو میری سنائی ہوئی کہانی پر یقین نہیں آیا تھا اور اس نے اس حوالے سے کھنڈی سے بات چیت کی تھی۔ ایسا ہونا ممکنات میں سے تھا لہٰذا مجھے کسی خوش فہمی میں نہیں رہنا چاہیے تھا۔ چودھری عبدالرحمٰن اتنا بھی سیدھا نہیں تھا جیسا اس نے میرے سامنے خود کو ظاہر کیا تھا ...... یہ تمام خیالات ایک لمحے میں میرے ذہن سے گزر گئے۔ اگلے ہی لمحے میں نے اپنی توجہ اس پر مرکوز کر دی۔

''کھنڈی......!'' میں نے چودھری عبدالرحمٰن کے خاص بندے کے چہرے پر نگاہ جما کر سوال کیا۔ ''کیا تمہیں کچھ اندازہ ہے کہ میں حیدر علی کے کھیتوں میں کس مقصد سے کھدائی کروا رہا ہوں؟''

وہ بڑی سرعت سے نفی میں گردن ہلاتے ہوئے بولا۔

''نن...... نہیں...... تھانے دار صاحب...... بالکل نہیں......!''

کھنڈی نے اگرچہ میرے سوال کا جواب نفی میں دیا تھا لیکن میں نے واضح طور پر محسوس کیا کہ اس کام میں اس کی آنکھیں زبان کا ساتھ نہیں دے رہی تھیں۔ اس وقت چونکہ میں براہِ راست کھنڈی کے چہرے کے تاثرات کا جائزہ لے رہا تھا لہٰذا مجھے یہ سمجھنے میں کسی دقت کا سامنا نہیں کرنا پڑا کہ وہ صریحاً دروغ گوئی سے کام لے رہا تھا۔ میں نے کھنڈی کو یہ احساس نہیں ہونے دیا کہ میں نے اس کی چوری پکڑ لی ہے۔ میں نے اسے خوش کرنے کی غرض سے کہا۔

''اگر مجھے وہ چیز مل گئی جس کے حصول کے لیے میں یہ کھدائی کروا رہا ہوں تو سمجھو، تمہارا انعام پکا......!''

''سرکار! میں کسی انعام کے لالچ میں یہ کام نہیں کر رہا ہوں۔'' وہ لجاجت بھرے لہجے میں بولا۔ ''یہ تو چودھری صاحب کا حکم ہے جس کی تعمیل مجھ پر لازم ہے۔ میرا بال بال چودھری صاحب کے احسانات تلے دبا ہوا ہے۔''

''چودھری عبدالرحمٰن کے لیے تمہارے جذبات اور تمہاری خدمات کی میں دل سے قدر کرتا ہوں کھنڈی......'' میں نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔ ''میں جو کچھ بھی تمہیں عطا کروں گا، اپنی خوشی سے کروں گا۔ تم اس زمین کی کھدائی کے ساتھ ہی یہ دعا بھی کرنا کہ مجھے اپنے مقصد میں کامیابی ملے!''

''جی جی...... ضرور......'' وہ فدویانہ انداز میں بولا۔ ''میں آپ کی کامیابی کے لیے اپنے دل کی گہرائیوں سے دعا کروں گا۔''

کھنڈی جس قدر کسرنفسی، لجاجت اور سماجت سے کام لے رہا تھا، وہ اس کے کینڈے اور مزاج سے لگا نہیں کھاتا تھا۔ مجھے فی الوقت تو یہ محسوس ہوا کہ وہ چودھری عبدالرحمٰن کی خصوصی ہدایات کے مطابق میرے سامنے عمل کر رہا تھا۔ بہرحال، اس کے اور اس کے آقا چودھری عبدالرحمٰن کے دل و دماغ میں کیا چل رہا تھا، وہ زیادہ دیر تک چھپا نہیں رہ سکتا تھا۔ کل کا سورج غروب ہونے سے پہلے اس حقیقت کو آشکار ہو جانا تھا......!

میں نے کھنڈی کو صبح جلدی سائٹ پر مع ٹریکٹر حاضر ہونے کی تاکید کی اور ڈسٹرکٹ ہیڈ کوارٹر سے آنے والے دونوں مہمانوں کے ساتھ تانگے میں بیٹھ کر تھانے آگیا۔

آج کا پورا دن کڑی مشقت میں گزرا تھا اور وہ بھی آگ برساتے ہوئے آسمان کے نیچے۔ جسم کا جوڑ جوڑ دکھ رہا تھا اور یہی حال ہیڈ کوارٹر سے آنے والے سب انسپکٹر امداد علی اور کانسٹیبل خادم حسین کا بھی تھا۔ اگرچہ ہم تینوں نے کھیتوں میں عملاً کچھ بھی نہیں کیا تھا تاہم چلچلاتی دھوپ میں درجن بھر افراد سے کام لینا بھی ایک الف جاب ثابت ہوئی تھی۔ میں نے دونوں مہمانوں کو فریش اپ ہونے کے لیے بھیج دیا اور اے ایس آئی حامد مغل کو اپنے پاس بلالیا۔

وہ میرے پاس پہنچا تو میں نے اسے بیٹھنے کے لیے کہا اور پوچھا۔ ''حامد! دن کیسا گزرا؟ تمہیں تھانے میں کوئی مشکل تو پیش نہیں آئی؟''

''نہیں ملک صاحب!'' اس نے اطمینان بھرے لہجے میں جواب دیا۔ ''سب کچھ نارمل رہا۔ وقت گزرنے کا احساس ہی نہیں ہوا۔''

''ویری گڈ......!'' میں نے کہا۔

''آپ سنائیں......'' اس نے کریدنے والے انداز میں پوچھا۔ ''آپ کا چک بیالیس والا مشن کیسا رہا؟''

آج جب میں مہمانوں کے ہمراہ تھانے سے روانہ ہورہا تھا تو میں نے تھانے کے معاملات کو حامد مغل کے حوالے کرنے کے علاوہ یہ وعدہ بھی کیا تھا کہ واپسی پر اسے اس مشن کی تفصیلات سے آگاہ کروں گا۔

آئندہ دس منٹ میں، میں نے اے ایس آئی کو حیدر علی کے کھیتوں میں کی جانے والی کھدائی کے اسباب کے بارے میں بریف کردیا پھر کہا۔

''ابھی وہ مشن ادھورا ہے۔ امید ہے کل شام تک ہمیں اس مقصد میں کامیابی حاصل ہوجائے گی۔''

''اس کا مطلب ہے آپ کا کل کا دن بھی ادھر ہی گزرنے والا ہے؟'' اس نے سوالیہ نظر سے میری جانب دیکھا۔

''ویسے تو وہاں کا کام میں نے لائن اپ کردیا ہے۔'' میں نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں حامد مغل کو بتایا۔ ''لیکن موقع پر میری موجودگی بھی ازحد ضروری ہے۔ ہیڈکوارٹر میں بیٹھے ہوئے اعلیٰ افسران کی خصوصی ہدایت ہے کہ میں نے یہ کام اپنی نگرانی میں کرانا ہے لہٰذا تمہارا اندازہ بالکل درست ہے۔ مجھے کل کا پورا دن بھی مہمانوں کے ساتھ ادھر ہی گزارنا ہوگا مگر میں سوچ رہا ہوں کہ ہمیں ابھی فوری طور پر بھی ایک اہم کام کرلینا چاہیے......''

''کون سا اہم کام ملک صاحب؟'' اس نے چونکتے ہوئے لہجے میں دریافت کیا۔

''میں چاہتا ہوں کہ ادھر حیدر علی کی زمین پر کسی سادہ لباس شبینہ ڈیوٹی والے پولیس اہلکار کو نگرانی کے لیے تعینات کردیا جائے۔'' میں نے اے ایس آئی کو اپنے خیالات سے آگاہ کرتے ہوئے گمبھیر انداز میں کہا۔ ''ہمارا بھیجا ہوا بندہ کہیں چھپ کر چپ چاپ حیدر علی کی چار ایکڑ اراضی پر نگاہ رکھے تاکہ رات میں اگر وہاں کوئی بھی غیر معمولی واقعہ پیش آئے یا وہ اہلکار کوئی عجیب چیز دیکھے تو ہمیں اس کی خبر مل جائے۔''

''تو آپ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ آج رات وہاں کسی گڑبڑ کا اندیشہ ہے؟'' اس نے تشویش بھرے انداز میں استفسار کیا۔

میں نے نہایت ہی مختصر الفاظ میں حامد مغل کو چودھری عبدالرحمٰن اور اس کے خادم خاص کھنڈی کے پراسرار اور الجھن زدہ رویّے کے بارے میں بتایا اور گہری سنجیدگی سے کہا۔

''میں ان لوگوں پر بھروسا نہیں کرسکتا۔''

''میرے خیال میں اس کام کے لیے کانسٹیبل اشفاق زیادہ موزوں رہے گا۔'' اس نے معتدل انداز میں کہا۔ ''اشفاق کا تعلق چک بیالیس ہی سے ہے، وہ وہاں کے ایک ایک بندے کو اچھی طرح جانتا اور پہچانتا ہے۔ وہ بہ آسانی نگرانی کے فرائض انجام دے لے گا۔''

''میں ایک حد تک تمہاری بات سے اتفاق کرتا ہوں حامد۔'' میں نے پُرسوچ انداز میں کہا۔ ''کیونکہ اشفاق کی جو خوبی تم نے بیان کی ہے، وہ کہیں ہمارے لیے کوئی مصیبت کھڑی نہ کردے......!''

''وہ کس طرح ملک صاحب؟'' وہ کچھ نہ سمجھنے والے انداز میں مجھے تکنے لگا۔

''وہ اس طرح کہ......'' میں نے وضاحت کرتے ہوئے اسے بتایا۔ ''اگر اشفاق چک بیالیس کے وسنیکوں کو اچھی طرح جانتا ہے تو یقیناً وہ لوگ بھی اشفاق کو جانتے اور پہچانتے ہیں۔ اس کی ذراسی کوتاہی یا بے پروائی نگرانی کا بھانڈا نہ پھوڑ دے......!''

''آپ کی بات میں وزن ہے ملک صاحب لیکن مجھے یقین ہے کہ ایسا کچھ نہیں ہوگا۔'' وہ تسلی آمیز لہجے میں بولا۔ ''میں اشفاق کو کافی عرصے سے جانتا ہوں۔ وہ ایک ہوشیار اور موقع شناس اہلکار ہے۔ وہ اس سچویشن کو ہینڈل کرلے گا۔ آپ کو اس سلسلے میں فکرمند ہونے کی ضرورت نہیں۔ میں اشفاق کو اچھی طرح سمجھا دوں گا کہ اسے کس طرح ہر کسی کی نظر سے بچ کر یہ مشن سرانجام دینا ہے۔''

''بس تو پھر ٹھیک ہے۔'' میں نے ایک گہری سانس خارج کرتے ہوئے کہا۔ ''اشفاق والا معاملہ میں تمہارے ہاتھ میں دے رہا ہوں۔ تم اپنی ذمے داری پر اسے ہینڈل کرلینا۔''

''آپ فکر نہ کریں۔ میں دیکھ لوں گا۔'' وہ مضبوط لہجے میں بولا۔

''ٹھیک ہے، اب تم جاؤ اور اس مشن پر کام شروع کردو۔'' میں نے کہا۔ ''اندھیرا گہرا ہونے سے پہلے اشفاق کو حیدر علی کی زمین کے نزدیک کوئی محفوظ پوزیشن سنبھال لینا چاہیے۔''

اے ایس آئی اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے بولا۔
''اوکے ملک صاحب!''
وہ جانے کے لیے مڑا تو ایک فوری خیال کے تحت میں نے پوچھ لیا۔ ''حامد! تم نے مہمانوں کے لیے منجی بستر کا بندوبست تو کر دیا ہے نا؟''
''جی بالکل...... میں نے ان لوگوں کے طعام و قیام کا ٹھیک ٹھاک انتظام کر دیا ہے۔'' وہ ٹھوس انداز میں بولا۔ ''وہ دونوں جب تک بھی ہمارے پاس رہیں گے انشاء اللہ انہیں کسی قسم کی کوئی تکلیف نہیں ہوگی۔''
''ویری گڈ......!'' میں نے ستائشی انداز میں کہا۔
حامد مغل کے جانے کے بعد میں بھی تھانے سے اٹھ گیا اور اپنے کوارٹر کی راہ لی۔ اس وقت میں آرام کی شدید طلب محسوس کر رہا تھا۔ یہ آرام اس لیے بھی ازحد ضروری تھا کہ کل کیا حالات پیش آئیں گے، اس کے بارے میں قبل از وقت کچھ نہیں کہا جا سکتا تھا۔ میں اس بات کا قائل تھا کہ ہمیشہ اچھے کی امید رکھنا چاہیے اور سدا گڑبڑ کے لیے تیار رہنا چاہیے......!

☆☆☆

آئندہ روز میں فجر کی نماز کے بعد ناشتا کر رہا تھا کہ میرے کوارٹر کے دروازے پر دستک ہوئی۔ میں نے دروازہ کھولا تو سامنے کانسٹیبل اشفاق کھڑا دکھائی دیا۔ میں نے فوراً اسے کوارٹر کے اندر بلا لیا پھر ناشتے کے منقطع سلسلے کو جاری کرتے ہوئے اشفاق سے پوچھا۔
''کیا رپورٹ ہے؟''
''ملک صاحب! رات کے ابتدائی حصے میں چودھری عبدالرحمٰن کے بھیجے ہوئے دو آدمیوں نے حیدر علی کی زمین پر آ کر پہلے ان کھیتوں کا جائزہ لیا جہاں کھدائی ہو چکی ہے۔ اس کے بعد وہ ان باقی ماندہ دو کھیتوں کے معائنے میں مصروف ہو گئے جہاں ابھی تک کھدائی نہیں کی گئی۔'' اشفاق نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں مجھے بتایا۔ ''ان دونوں کے بیچ کیا بات چیت ہوئی، وہ میں سن نہیں سکا کیونکہ میں وہاں سے خاصے فاصلے پر چھپا بیٹھا تھا۔''
''یہ بڑی بات ہے کہ تم نے رات کی تاریکی میں بھی یہ جان لیا کہ ان دو افراد کو چودھری عبدالرحمٰن نے بھیجا تھا!'' میں نے سوچ میں ڈوبے ہوئے لہجے میں کہا۔ ''کیا ان میں ایک کھنڈی تھا؟''
''نہیں ملک صاحب......!'' کانسٹیبل نے نفی میں گردن ہلاتے ہوئے بولا۔ ''ان میں سے ایک کا نام ساجد علی اور دوسرے کا نام یعقوب احمد ہے۔ میں یہ بات اچھی طرح جانتا ہوں کہ ساجد اور یعقوب بھی کھنڈی کی طرح چودھری صاحب کے خاص بندوں میں شمار ہوتے ہیں۔''
''ہوں......'' میں نے ایک پُرسوچ سانس خارج کی پھر ناشتے کا عمل جاری رکھتے ہوئے پوچھا۔ ''اس کے بعد کیا ہوا؟''
''کچھ بھی نہیں ملک صاحب!'' وہ سادگی سے بولا۔ ''تھوڑی دیر کے بعد ساجد اور یعقوب وہاں سے واپس چلے گئے تھے۔ میں پوری رات بڑی مستعدی سے حیدر علی کے کھیتوں پر نگاہ جمائے بیٹھا رہا لیکن ساجد اور یعقوب کے جانے کے بعد سب کچھ نارمل رہا۔ ایسی کوئی بات میری نظر سے نہیں گزری جسے آپ کے سامنے بیان کروں۔''
''تم نے پچھلی رات اُدھر کھیتوں میں جو کچھ دیکھا وہ میری نظر میں بہت اہم ہے اشفاق۔'' میں نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔ ''اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ چودھری عبدالرحمٰن، حیدر علی کی زمین میں ہونے والی کھدائی میں بہت زیادہ دلچسپی لے رہا ہے۔ خیر......'' میں نے لمحاتی توقف کر کے کانسٹیبل سے استفسار کیا۔
''اشفاق! ناشتا کرو گے؟''
''نہیں ملک صاحب! ناشتا تو میں گھر جا کر ہی کروں گا۔'' وہ جلدی سے بولا۔ ''آپ کو رپورٹ دینا ضروری تھا اس لیے میں سیدھا آپ کے پاس چلا آیا ہوں۔''
''چائے ہی پی لو......!'' میں نے کہا۔
''ملک صاحب! اگر میں نے ابھی چائے پی لی تو نیند کا کباڑا ہو جائے گا۔'' وہ ایک طویل جماہی لیتے ہوئے معذرت خواہانہ انداز میں بولا۔ ''دو راتوں کا رت جگا جمع ہو چکا ہے۔ گھر جا کر میں دو گلاس مکھن والی نمکین چاٹی کی لسی پیوں گا اور پھر کمبی تان کر سو جاؤں گا۔ نیند پوری کرنا بھی ضروری ہے کیونکہ شام میں دوبارہ ڈیوٹی پر آنا ہے۔''
''ٹھیک ہے، میں تمہاری مجبوری کو سمجھ سکتا ہوں۔'' میں نے ناشتے پر اینڈنگ مارک لگاتے ہوئے کہا۔ ''تم فریش ہو کر رات میں ڈیوٹی پر آؤ تو پھر تم سے بات ہوگی۔ تم چک بیالیس کے رہنے والے ہو۔ میں تم سے حیدر علی، چودھری عبدالرحمٰن اور بعض دوسرے لوگوں کے بارے میں بہت کچھ پوچھنا چاہتا ہوں۔''
''جو آپ کا حکم ملک صاحب۔'' وہ فرماں برداری سے بولا۔ ''میں رات ہونے سے پہلے آپ کی خدمت میں حاضر ہو جاؤں گا۔''
''ایک بات دھیان میں رکھنا اشفاق......!'' میں نے

تنبیہ کرنے والے انداز میں کہا۔ ''یہ نگرانی والا معاملہ ٹاپ سیکرٹ ہے۔ ادھر گاؤں میں کسی کو اس کی ہوا نہیں لگنا چاہیے!''

''سمجھ گیا ملک صاحب!'' وہ سینے پر ہاتھ رکھ کر بڑے اعتماد سے بولا۔ ''مجھے اپنی ذمے داری کا احساس ہے۔ انشاء اللہ میں آپ کو کسی شکایت کا موقع نہیں دوں گا۔''

''شاباش!'' میں نے تعریفی نظر سے اسے دیکھا۔

اشفاق کے جانے کے بعد میں نے یونیفارم پہنی اور تیار ہو کر اپنے کمرے میں آ گیا۔ تھوڑی دیر میں اے ایس آئی حامد مغل بھی میرے پاس آ گیا اور دھیمے لہجے میں مجھ سے پوچھا۔

''اشفاق سے آپ کی بات ہو گئی؟''

''ہاں...... وہ مجھے رپورٹ دینے کے بعد اپنے گھر چلا گیا ہے۔'' میں نے اسے بتایا۔ ''یقیناً اس نے تمہیں بھی اپنی نگرانی کے حوالے سے سب کچھ بتا دیا ہوگا......؟''

''جی ملک صاحب!'' حامد مغل نے اثبات میں جواب دیا۔ ''وہ کھیتوں سے سیدھا میرے پاس ہی آیا تھا اور میں نے ہی اسے آپ کے پاس کوارٹر میں بھیجا تھا۔ ملک صاحب! آپ کا شک بالکل درست ہے۔ اس کھدائی نے چودھری عبدالرحمٰن کو خاصا بے چین کر دیا ہے۔''

میں نے رواروی میں کہہ دیا۔ ''چودھری کی تشویش بھری بے قراری سے تو یہی محسوس ہو رہا ہے کہ جیسے اسے ڈر ہو، ہم نے جو کھدائی شروع کرائی ہے اس کے اندر سے اس کا کوئی جرم نکل کر سامنے نہ آ جائے......!''

''ایسا ہو بھی سکتا ہے ملک صاحب......!'' اے ایس آئی نے ایک ایک لفظ پر زور دے کر معنی خیز انداز میں کہا۔ ''چودھری عبدالرحمٰن کی یہ پراسرار حرکتیں تو اسی جانب اشارہ کر رہی ہیں۔''

''خیر...... جو بھی ہوگا، دیکھ لیں گے۔'' میں نے بے پروائی سے کہا پھر پوچھا۔ ''مہمانوں کا کیا حال ہے؟''

''بڑے مزے میں ہیں ملک صاحب۔'' اس نے جواب دیا۔ ''رات کو دونوں گہری نیند سوئے ہیں۔ میں نے انہیں خوب ڈٹ کر ناشتا کرا دیا ہے۔''

''ٹھیک ہے...... تو انہیں میرے پاس بھیج دو۔'' میں نے کہا۔ ''میرے خیال میں اب ہمیں روانہ ہو جانا چاہیے۔''

''ابھی بھیجتا ہوں جناب......!'' یہ کہتے ہوئے اے ایس آئی میرے کمرے سے نکل گیا۔ ''اور آپ کے لیے سواری بھی دیکھتا ہوں۔''

میں نے گزشتہ روز تھانے کی طرف آنے سے پہلے چودھری کے ملازم خاص طفیل عرف کھنڈی سے کہا تھا کہ آج کا سورج اگنے سے پہلے میں حیدر علی کے کھیتوں میں موجود ہوں گا مگر اب تو اچھی خاصی دھوپ بھی نکل آئی تھی۔ موسم گرما کی صبح ویسے بھی کافی جلدی ہو جاتی ہے۔ اشفاق سے ہونے والی اہم گفتگو کی وجہ سے میں تھانے پہنچنے میں تھوڑا لیٹ ہو گیا تھا۔ کھنڈی یقیناً اس وقت ادھر کھیتوں میں ٹریکٹر کے ساتھ میرا انتظار کر رہا ہوگا۔

دو منٹ کے بعد امداد علی اور خادم حسین میرے سامنے بیٹھے ہوئے تھے۔ رسمی علیک سلیک کے بعد میں نے باری باری ان کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''آپ لوگوں کی رات کیسی گزری ہے؟''

''رات کے گزرنے کا تو پتا ہی نہیں چلا ملک صاحب!'' خادم حسین نے کہا۔ ''جس کروٹ سوئے تھے، اسی کروٹ صبح آنکھ کھلی ہے اور وہ بھی خاصی تاخیر سے، ورنہ میں تو فجر کی اذان کے ساتھ ہی اٹھ جاتا ہوں۔''

''یہ سب اس خواری کے ثمرات ہیں جو کل دن بھر حیدر علی کے کھیتوں میں ہم سب نے اٹھائی ہے۔'' میں نے کہا۔

''اور آج کا دن کون سا ٹانگیں پسار کر آرام کرنے کا ہے......'' خادم حسین نے معنی خیز انداز میں کہا۔ ''اگر کل ہم نے خواری اٹھائی ہے تو سمجھو...... آج کتا خواری کا دن ہے!''

خادم حسین ہلکے پھلکے انداز میں گفتگو کر رہا تھا۔ میں نے بھی اسی موڈ میں کہہ دیا۔ ''ٹانگیں پسار کر آرام کرنے کا موقع تو مرنے کے بعد ہی انسان کو نصیب ہوتا ہے اور وہ بھی قبر میں...... ایک دم دائمی آرام ورنہ جب تک سانس چلتی رہتی ہے، کسی نہ کسی نت نئی مصیبت سے واسطہ پڑتا ہی رہتا ہے......!''

''یہ تو آپ بالکل ٹھیک کہہ رہے ہیں ملک صاحب!'' خادم حسین تائیدی انداز میں گردن ہلاتے ہوئے بولا۔ ''عافیت ایسا سوچنے ہی میں ہے کہ...... رات گئی، بات گئی!''

''میں نے سوچا تھا، رات کو سونے سے پہلے آج دن بھر کی کارکردگی کی رپورٹ تیار کروں گا۔'' امداد علی نے متاسفانہ انداز میں کہا۔ ''لیکن دن میں اتنی زیادہ تھکن ہو گئی تھی کہ کچھ کرنے کی ہمت نہیں ہوئی۔''

''امداد علی......!'' میں نے سب انسپکٹر کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے ٹھوس انداز میں کہا۔ ''یار زندہ، صحبت باقی'' کے مصداق ''بندہ زندہ، کام باقی'' ہی زندگی کی سب سے بڑی سچائی ہے۔ جو کام آپ پچھلی رات نہیں کر پائے، وہ آج رات کر لیجیے گا۔ اس سے نجات تو ملنے سے رہی......!''

''آپ بجا فرماتے ہیں ملک صاحب۔'' وہ سر کو

اثباتی جنبش دیتے ہوئے بولا۔ ''بس دعا کریں کہ آج ہمیں اپنے مقصد میں کامیابی حاصل ہوجائے تاکہ رپورٹ تیار کرنے کا مزہ دوبالا ہوجائے۔''

''انشاء اللہ! ایسا ہی ہوگا......'' میں نے پُرخیال انداز میں کہا۔ ''اللہ انسان کی محنت کو ضائع نہیں کرتا بشرطیکہ وہ محنت درست سمت میں کی گئی ہو۔''

''سجدے کا مزہ بھی اسی وقت آتا ہے جب انسان کا قبلہ درست ہو......!'' خادم حسین نے فلسفیانہ انداز میں کہا۔

قبل اس کے کہ میں خادم حسین کی بات کے جواب میں کچھ کہتا، حامد مغل نے کمرے میں آکر اطلاع دی۔

''ملک صاحب! باہر تانگا تیار کھڑا ہے۔''

''چلیں بھئی، نکلتے ہیں۔'' میں نے اٹھ کر کھڑے ہوتے ہوئے کہا۔ ''حیدر علی کے کھیتوں میں ٹکلا ہمارا انتظار کررہا ہوگا۔''

امداد علی نے بے ساختہ پوچھا۔ ''کون ٹکلا ملک صاحب؟''

''میں چودھری کے خادم خاص کھنڈی کی بات کررہا ہوں۔'' میں نے کہا۔ ''میں نے اسے علی الصباح کھیتوں میں پہنچنے کے لیے کہا تھا......''

''اور اب تو اچھی خاصی دھوپ بھی نکل آئی ہے......''

خادم حسین نے ذومعنی انداز میں کہا۔ ''اس ٹکلے کی ٹنڈ تو خوب لشکارے مار رہی ہوگی۔''

''تمہیں کچھ زیادہ ہی تفریح نہیں سوجھ رہی......؟''

امداد علی نے خادم حسین کو آنکھیں دکھائیں۔ ''یہ مت بھولو کہ میں جو رپورٹ تیار کروں گا، اس میں تمہاری کارکردگی کا ذکر بھی آئے گا......تمہاری تمام تر حماقتوں کے ساتھ......''

''سوری سر!'' خادم حسین معذرت خواہانہ انداز میں بولا۔ ''میں آئندہ سوچ سمجھ کر زبان کھولوں گا۔''

''میں نے زبان کو تالا لگانے کی نہیں، لگام دینے کی بات کی ہے۔'' امداد علی نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔ ''اب منہ میں گھنگنیاں ڈال کر نہیں بیٹھ جانا......''

''اوکے سر!'' خادم حسین نے فرماں برداری کے ساتھ کہا۔ ''میں چپ شاہ کا روزہ نہیں رکھوں گا۔ آپ جب کہیں گے تو میں بولوں گا ورنہ خاموش رہوں گا۔''

''گویا اب تم ایک انسان نہیں رہے، بٹن سے چلنے والی ایک مشین بن گئے ہو۔'' امداد علی نے تیکھے لہجے میں کہا۔

''اور میں تمہیں حسبِ منشا آپریٹ کروں گا!''

''آپ میرے سینئر ہیں، میرے افسر ہیں......''

خادم حسین نے بڑی معصومیت سے کہا۔ ''آپ جیسا کہیں گے، میں ویسا ہی کروں گا۔''

ان دونوں کی نوک جھوک میں مجھے بڑا مزہ آرہا تھا۔

ہم اسی شگفتہ فضا میں چلتے ہوئے تھانے سے باہر آئے پھر تانگے پر سوار ہوکر جائے وقوعہ کی جانب روانہ ہوگئے۔

☆☆☆

لال بوتھی والے امریکی نژاد میسی فرگوسن کے طاقتور انجن کے بوتے پر، گینڈا صفت کھنڈی نے انتھک محنت کے نتیجے میں اس روز سہ پہر تک باقی ماندہ دونوں کھیتوں کو بھی گوڈ ڈالا تھا۔ جب ہم لوگ حیدر علی کی زمین پر پہنچے تو کھنڈی ہمیں تندہی سے مصروفِ عمل دکھائی دیا تھا۔ بعدازاں مجھے معلوم ہوا کہ وہ بندۂ رحمٰن منہ اندھیرے ہی ٹریکٹر لے کر وہاں پہنچ گیا تھا اور آتے کے ساتھ ہی اس نے کام شروع کردیا تھا۔ ہماری آمد تک وہ ایک کھیت کا چوتھائی بھر کھود چکا تھا۔ بہرحال، اس کڑی مشقت کا نتیجہ صفر کے برابر برآمد ہوا کیونکہ ہمیں جس شے کی تلاش تھی، وہ گوہرِ مقصود حاصل نہیں ہوسکا تھا۔

اس صورتِ حال نے ہم تینوں کے علاوہ کھنڈی کو بھی پریشان کردیا تھا۔ وہ قدرے ندامت آمیز انداز میں مجھ سے مخاطب ہوتے ہوئے بولا۔

''تھانے دار صاحب! میں نے اپنی طرف سے کوئی کسر باقی نہیں چھوڑی۔ آپ کو کھیتوں کے جس حصے پر ذرا سا بھی شک ہوا، میں نے اس جگہ کو گہرائی تک ادھیڑ ڈالا ہے مگر آپ کا مقصد پورا نہیں ہوا حالانکہ میں نے آپ کی کامیابی کے لیے دعا بھی کی تھی۔ مجھے بہت افسوس......ہو رہا ہے......!''

پتا نہیں، ان لمحات میں کھنڈی حزنیہ اداکاری کررہا تھا یا یہ اس کے حقیقی جذبات تھے۔ بہرحال، وہ خاصا دکھی نظر آرہا تھا۔ نیت کا حال تو صرف خدا ہی جانتا ہے مگر کھنڈی کے چہرے کے تاثرات میں غمزدگی پائی جاتی تھی۔ اگر وہ کسی خاص مقصد کے تحت میرے سامنے خود کو رنجیدہ بنا کر پیش کررہا تھا تو پھر یہ ماننا پڑے گا کہ وہ بلا کا اداکار تھا۔

''اگر مجھے اپنے مشن میں سرخروئی حاصل نہیں ہوئی تو اس میں تمہارا کوئی قصور نہیں ہے کھنڈی......!'' میں نے ہمدردی بھرے انداز میں کہا۔ ''تم نے تو واقعتاً جان توڑ محنت کی ہے۔ آگے اللہ کی مرضی!''

ہمارے بیچ بات چیت کا سلسلہ چل ہی رہا تھا کہ چودھری عبدالرحمٰن بھی صورتِ حال کا جائزہ لینے کے لیے وہاں پہنچ گیا۔ اس وقت بھی چودھری کے ساتھ ایک حاشیہ

بردار موجود تھا۔ وہ دونوں حسبِ معمول گھوڑوں پر سوار تھے۔ بعدازاں مجھے معلوم ہوا کہ چودھری کے اس ہمراہی کا نام ساجد علی تھا۔

ساجد علی کی عمر لگ بھگ پچیس سال رہی ہوگی۔ وہ اکہرے بدن کا مالک ایک میانہ قد شخص تھا۔ اسے دیکھ کر بالکل اندازہ نہیں ہوتا تھا کہ وہ چودھری کے لیے باڈی گارڈ کا فریضہ انجام دیتا ہوگا۔ اس کی شکل سے یتیمیت ٹپکتی تھی اور وہ سیدھا سادہ نظر آتا تھا۔ صبح حیدر علی کے کھیتوں کی نگرانی کرنے والے میرے تھانے کے کانسٹیبل اشفاق نے مجھے بتایا تھا کہ گزشتہ رات چودھری کے دو خاص بندے ساجد علی اور یعقوب احمد مذکورہ زمین کا معائنہ کرنے آئے تھے۔ اغلب امکان اسی بات کا تھا کہ یہ ساجد علی وہی ہوگا!

میں چودھری عبدالرحمٰن کو ایک طرف لے گیا تو اس نے کریدنے والے انداز میں سوال کیا۔ ”ملک صاحب! آپ کا کام ہوا یا نہیں......؟“

”آپ کو کیا لگتا ہے چودھری صاحب؟“ جواب دینے کے بجائے میں نے الٹا اسی سے پوچھ لیا۔

”آپ کے چہرے کے تاثرات تو یہی بتاتے ہیں کہ آپ کو جس مقتول کی لاش کی تلاش تھی، وہ آپ کے ہاتھ نہیں لگی......“ وہ گہری نظر سے مجھے گھورتے ہوئے بولا۔

”آپ کا اندازہ درست ہے چودھری صاحب!“ میں نے ایک گہری سانس خارج کرتے ہوئے کہا۔ ”ہم نے ہرممکن کوشش کر کے دیکھ لی مگر اس لاش کی باقیات تک رسائی حاصل نہیں ہو سکی۔“

”یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ آپ لوگوں کو ملنے والی اطلاعات غلط ہوں......“ اس نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔ ”مبینہ قاتل نے مقتول کی لاش کو کہیں اور دبا رکھا ہو!“

”اس امکان کو نظرانداز نہیں کیا جا سکتا۔“ میں نے گول مول جواب دیا۔ ”اوپر سے جو احکامات مجھے ملے تھے، میں نے ان کی تعمیل میں یہ ساری کارروائی کی ہے۔ میرا کام یہاں پر ختم ہو جاتا ہے......“ پھر میں نے دور کھڑے امداد علی اور خادم حسین کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ ”یہ لوگ ہیڈ کوارٹر جا کر اپنی رپورٹ پیش کر دیں گے، آگے وہ افسر جانیں جو ادھر ڈسٹرکٹ ہیڈ کوارٹر میں بیٹھے ہوئے ہیں۔ اس سلسلے میں آپ نے مجھ سے بہت تعاون کیا ہے جس کے لیے میں آپ کا شکرگزار ہوں چودھری صاحب......“

”شرمندہ نہ کریں ملک صاحب۔“ وہ جلدی سے بولا۔ ”میں نے تو اپنا فرض ادا کیا ہے۔ بس، مجھے اس بات کا افسوس ہے کہ آپ کی یہ ساری محنت کھوہ کھاتے گئی......“

”لیکن میں ہرگز ایسا نہیں سمجھتا چودھری صاحب!“

”کیا مطلب ہے آپ کا؟“ وہ حیرت بھری نظر سے مجھے تکنے لگا۔

میں نے سادہ سے لہجے میں کہا۔ ”مطلب یہ کہ قدرت کے کارخانے میں کسی کی بھی محنت ضائع یا بے کار نہیں جاتی!“

”تو آپ یہ کہنا چاہ رہے ہیں کہ آپ نے حیدر علی کی چار ایکڑ اراضی میں جو کھدائی کروائی ہے، وہ رائگاں نہیں گئی......“ وہ الجھن زدہ انداز میں مجھے دیکھتے ہوئے بولا۔ ”بلکہ......آپ نے اس سے بہت کچھ حاصل کیا ہے؟“

”مجھے کچھ حاصل ہوا یا نہیں، یہ ایک الگ تھلگ بحث ہے چودھری صاحب......“ میں نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔ ”بہرحال، یہ طے ہے کہ دو دن کی اس کارگزاری سے کسی کا فائدہ ضرور ہوا ہے......!“

”کس کا؟“ اس نے بے ساختہ پوچھا۔

میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھنے پر اکتفا کیا۔

”آپ کی بات میری سمجھ میں نہیں آئی ملک صاحب......!“ وہ اپنے چہرے کے تاثرات کو قابو میں رکھنے کی کوشش کرتے ہوئے اضطراری انداز میں بولا۔ ”آپ ذرا وضاحت کر دیں تو نوازش ہوگی۔“

چودھری کی حالت نے مجھے شک میں ڈال دیا۔ جب میں نے اس کھدائی کے مابعد فوائد کا ذکر کیا تو اس کے چہرے پر ایک رنگ سا آ کر گزر گیا تھا جیسے میں نے اس کی کوئی چوری پکڑ لی ہو۔ میں نے جس فائدے کی بات کی تھی، مجھے لگا اس کا بینیفشری خود چودھری عبدالرحمٰن ہے۔ کم از کم اس کے چہرے پر نمودار ہونے والے تاثرات اسی جانب اشارہ کر رہے تھے۔

یہ تمام تر خیالات سیکنڈ کے دسویں حصے میں میرے ذہن سے گزرے پھر میں نے چودھری کی بات کے جواب میں کہا۔ ”چودھری صاحب! میں نے ایک جنرل بات کی تھی۔ قدرت کے ہر عمل کے پیچھے کوئی نہ کوئی مصلحت چھپی ہوتی ہے۔ کیا آپ اس فلسفے سے اتفاق نہیں کرتے؟“

”جی......آپ بالکل ٹھیک......کہہ رہے ہیں......“ وہ ایک آسودہ سانس خارج کرتے ہوئے بولا۔ ”اس معاملے میں، میں آپ سے پوری طرح متفق ہوں۔ قدرت کے کام واقعی بڑے نرالے ہوتے ہیں جو کہ آسانی سے سمجھ میں نہیں آتے۔“

یہ تو صاف نظر آرہا تھا کہ حیدر علی کی زمین میں ہونے والی کھدائی نے چودھری کو خاصا ڈسٹرب کر دیا تھا۔ اس کا جو بھی مسئلہ تھا وہ زیادہ دیر تک مجھ سے پوشیدہ نہیں رہ سکتا تھا۔

میرا ذہن مسلسل اسی گتھی کو سلجھانے میں لگا ہوا تھا اور اسی شعوری ولاشعوری کوشش کے دوران میں ایک اچھوتا خیال میرے ذہن میں ابھرا اور میں نے ...... اسی خیال کے تحت چودھری سے بات چیت شروع کر دی۔

میں نے چودھری کے بیان کے جواب میں کہا۔ ''اور اگر قدرت کا کوئی اشارہ آسانی سے سمجھ میں آجائے تو پھر فوراً اس پر عمل بھی کرنا چاہیے...... ہیں نا؟''

''جی، جی ...... بالکل......!'' وہ سر کو اثباتی جنبش دیتے ہوئے بولا۔ ''بتائیں، آپ کی سمجھ میں کیا آرہا ہے؟''

''میں جو کچھ بھی سمجھ پایا ہوں چودھری صاحب!'' ...... میں نے ذہن میں آنے والے آئیڈیا کو بروئے کار لاتے ہوئے گہری سنجیدگی سے کہا۔ ''اس میں آپ کی ذات کا بڑا عمل دخل ہے......!''

''وہ کس طرح؟'' وہ آنکھیں سکیڑتے ہوئے مستفسر ہوا۔

''کل آپ نے مجھے بتایا تھا کہ آپ کو شاداں پر بڑا ترس آتا ہے۔'' میں نے اس کے چہرے پر نگاہ جما کر معتدل انداز میں کہنا شروع کیا۔ ''اس کا گھر والا پچھلے دو سال سے جیل میں ہے۔ آپ نے دو تین بار شاداں اور اس کے بچوں کی مالی مدد کرنے کی بھی کوشش کی لیکن شاداں نے آپ کی اس پرخلوص پیشکش کو ٹھکرا دیا۔ آپ کی نیت صاف تھی لیکن اس گھمنڈی عورت نے آپ کے تعاون کی قدر نہیں کی......!''

''آپ بالکل ٹھیک کہہ رہے ہیں ملک صاحب!'' وہ تائیدی انداز میں گردن ہلاتے ہوئے بولا۔ ''اگر دیکھا جائے تو شاداں نے میری بات نہ مان کر اپنا اور اپنے بچوں کا نقصان ہی کیا ہے۔''

''جن کی نیت صاف اور عمل صالح ہوتا ہے، وہ لوگ کسی بھی قیمت پر دوسروں کا نقصان نہیں ہونے دیتے چودھری صاحب!'' میں نے بدستور اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا۔ ''آپ کو بھی ہمت نہیں ہارنا چاہیے۔ قدرت نے آپ کے لیے نیکی کمانے کا ایک اور موقع پیدا کر دیا......''

''کیسا موقع؟'' وہ الجھن زدہ لہجے میں مستفسر ہوا۔ ''آپ کون سی نیکی کی بات کر رہے ہیں ملک صاحب......!''

''شاداں کی مدد کر کے اجرِ عظیم سمیٹنے کا موقع چودھری صاحب......'' میں نے رازدارانہ انداز میں کہا۔ ''اور وہ بھی اس طرح کہ آپ کے عمل کی شاداں کو کانوں کان خبر

## پرکھ

ایک صاحب کو اپنے بچے کے متعلق بڑی فکر تھی کہ ان کا بچہ بڑا ہو کر کیا بنے گا۔ انہوں نے ایک ماہر نفسیات سے بچے کو پرکھنے کے لیے مشورہ مانگا۔ ماہر نفسیات نے مشورہ دیا (اپنی فیس کھری کرنے کے بعد)۔

''آپ اپنے بچے کو ایک کمرے میں بند کر دیجیے اور اس کے سامنے ایک سیب، ایک روپیہ اور ایک کتاب رکھ دیں۔ اگر آپ کا بچہ سیب کھائے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ وہ زراعت میں دلچسپی رکھتا ہے۔ اگر وہ ایک روپیہ اٹھائے تو یہ سمجھ لیجیے گا کہ وہ ایک اچھا بزنس مین بنے گا اور اگر وہ کتاب پڑھنا شروع کر دے تو یقین کر لیجیے گا کہ وہ اسکالر بنے گا۔''

انہوں نے ماہر نفسیات کے مشورے پر عمل کیا اور خود دروازے کے سوراخ سے جھانک کر بچے کی حرکتیں دیکھنے لگے۔ بچے نے اطمینان سے ایک روپے کا نوٹ اٹھا کر جیب میں رکھا۔ کتاب کھول کر پڑھنی شروع کر دی اور ساتھ ساتھ سیب کھانے لگا۔ وہ صاحب خاصے پریشان اور کنفیوز ہوئے اور بھاگے بھاگے ماہر نفسیات کے پاس پہنچے اور اسے ساری بات بتائی۔

ماہر نفسیات نے مسکرا کر کہا۔

''آپ بالکل نہ گھبرائیے۔ آپ کا بیٹا سیاست دان بنے گا۔''

## نہلے پہ دہلا

مہمان میزبان سے۔ ''دیکھیں! اپنے بیٹے کو سمجھائیں۔ وہ میری ٹوپی میں پانی لا رہا ہے۔''

میزبان۔ ''ارے وہ تو میرا بھتیجا ہے۔ میرا بیٹا تو وہ ہے جو آپ کے جوتے میں پانی لا رہا ہے۔''

## محبت

یہ دل کے پالنے میں پڑے بچے کی طرح ہوتی ہے جو اپنی من مانی کے لیے ہاتھ پاؤں مارتی رہتی ہے۔

مرسلہ: ریاض بٹ۔ حسن ابدال

نہیں ہوگی!''

''یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں جناب ......'' وہ سرسراتی ہوئی آواز میں بولا۔ ''مجھے سمجھائیں کہ میں کس طرح شاداں کے کام آسکتا ہوں......؟''

اس کے اندر تجسس اور دلچسپی کا سمندر ٹھاٹھیں مارنے لگا تھا۔ بے چینی اس کی آنکھوں میں ہلکورے لینے لگی تھی اور بے قراری اس کے چہرے سے ہویدا تھی۔ میں نے اس کی اضطرابی کیفیت کے پیش نظر گہری سنجیدگی سے کہا۔

''دیکھیں چودھری صاحب! میں نے جس مقصد کی خاطر اس زمین کی کھدائی کروائی ہے، وہ تو حاصل ہوا نہیں لیکن اس کارگزاری کے نتیجے میں حیدر علی کی چار ایکڑ اراضی میں دو سال کے بعد ہل تو چل گیا۔ آپ کے میسی فرگوسن ٹریکٹر کے پیچھے بندھے ہوئے آہنی ہل نے اس زمین کو دوبارہ کاشت کے قابل بنا دیا ہے۔ میں غلط تو نہیں کہہ رہا......؟''

''نہیں جناب...... آپ بجا فرمارہے ہیں۔'' وہ تائیدی انداز میں بولا۔

''قدرت نے کسی نہ کسی بہانے حیدر علی کی چار ایکڑ اراضی میں ٹریکٹر چلوا کر آپ کا کام آسان کر دیا ہے چودھری صاحب!'' میں نے سمجھانے والے انداز میں کہا۔''اس کا مطلب یہ ہوا کہ قدرت نے آپ کی نیکی کے لیے راہ ہموار کر دی ہے۔ اب آپ چپ چاپ اس زمین میں آنے والی کسی فصل کا بیج ڈلوا دیں۔ باقی کا کام قدرت پر چھوڑ دیں ...... مالک دا کم پھل پھُل لانا، لائے یا نہ لائے......!''

میرا آخری جملہ ٹھیک سے چودھری عبدالرحمٰن کی سمجھ میں جا بیٹھا۔ اس نے آمادگی بھرے انداز میں کہا۔

''آگے چاول کی فصل کا موسم ہے۔ اگرچہ یہ زمین پانی سے کافی دور ہے لیکن میں یہاں تک پانی پہنچانے کا بندوبست کروا دوں گا۔ چاول کی فصل کو بہت زیادہ پانی کی ضرورت ہوتی ہے اور اس کی بیجائی پنیری سے کی جاتی ہے، لیکن آپ فکر نہ کریں، میں اپنی ذمے داری سمجھ گیا ہوں۔ کسی کو کچھ پتا نہیں چلے گا اور ان کھیتوں میں دھان کی فصل سر اٹھا کر کھڑی ہو جائے گی۔''

''اگر آپ نے ایسا کر دیا تو اللہ آپ سے بہت خوش ہوگا چودھری صاحب!'' میں نے توصیفی نظر سے اس کی طرف دیکھا۔

''ملک صاحب! آپ نے جو کہا، میں نے وہ کرنے کی ہامی بھری ہے اور انشاء اللہ میں ویسا کر کے بھی دکھاؤں گا۔'' وہ بڑی گہری نظر سے مجھے دیکھتے ہوئے بولا۔''اب آپ بھی اپنا وعدہ پورا کریں۔''

''کون سا وعدہ چودھری صاحب؟'' میں نے متعجب لہجے میں پوچھا۔

''کل آپ نے کہا تھا کہ کھدائی کا کام مکمل ہونے کے بعد آپ اس مشن کے حوالے سے مجھ سے کوئی راز شیئر کریں گے......!'' اس نے یاد دلانے والے انداز میں کہا۔

''اچھا وہ بات......'' میں نے چونکنے کی اداکاری کی پھر اضافہ کرتے ہوئے کہا۔ ''چودھری صاحب! میں اپنے الفاظ کو بھولا نہیں ہوں۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے، میں نے کہا تھا کہ اگر اس کھدائی کے نتیجے کے طور پر میں حیدر علی کی زمین کے پیٹ میں سے مدفون لاش کی باقیات کو برآمد کرنے میں کامیاب ہو گیا تو پھر میں آپ سے نہایت ہی دلچسپ اور سنسنی خیز معلومات شیئر کروں گا، لیکن ......'' لمحاتی توقف کر کے میں نے تیز نظر سے چودھری کو گھورا اور اپنی نامکمل بات پوری کرتے ہوئے ان الفاظ میں اضافہ کیا۔

''آپ سے کچھ بھی چھپا ہوا نہیں ہے، آپ جانتے ہیں اس زمین کی کھدائی سے کچھ بھی میرے ہاتھ نہیں لگا......!''

''تو اس کا یہ مطلب ہوا کہ اب آپ مجھے کچھ نہیں بتائیں گے؟'' وہ شکایتی نظر سے مجھے دیکھتے ہوئے بولا۔

''ایسی بات نہیں ہے چودھری صاحب!'' میں نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر تسلی آمیز انداز میں کہا۔''آپ کو مایوس ہونے کی چنداں ضرورت نہیں۔ میرا کام ہوا یا نہیں مگر...... میں آپ کی معلومات میں ضرور اضافہ کروں گا اور اس کے لیے آپ کو ایک دن انتظار کرنا پڑے گا۔''

''ایک دن انتظار......'' اس نے عجیب سی نظر سے مجھے دیکھا اور پوچھا۔''وہ کس لیے ملک صاحب؟''

''ابھی مجھے ہیڈ کوارٹر سے آئے ہوئے ان دونوں مہمانوں کو نمٹانا ہے۔'' میں نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔''اس لیے تسلی سے بات نہیں ہو سکے گی۔ میں کل دن میں کسی وقت آپ کی طرف چکر لگاؤں گا پھر اطمینان سے بیٹھ کر گپ شپ کریں گے۔''

''ٹھیک ہے ملک صاحب ......!'' میری بات اس کے پلے پڑ گئی، سر کو تفہیمی انداز میں حرکت دیتے ہوئے تعاون آمیز لہجے میں بولا۔''میں آپ کا انتظار کروں گا۔''

جائے وقوعہ یعنی حیدر علی کی زمین پر اب میرا کوئی کام باقی نہیں رہا تھا۔ میں نے امداد علی اور خادم حسین کو ساتھ لیا پھر ہمارا تانگا تھانے کی سمت رواں دواں ہو گیا۔

مغرب سے پہلے ہم اپنی منزل پر پہنچ گئے۔

میں نے چودھری عبدالرحمٰن کو ایک روز بعد کا ٹائم اس لیے دیا تھا کہ اس کیس کے بہت سارے ''ضلع اور زاویہ'' میری نگاہ سے اوجھل تھے۔ میں چند سوالات کے جوابات کی تلاش میں تھا۔ پچھلے دو روز یعنی کل اور آج میں بعض ایسے معاملات میری نظر سے گزرے تھے جن کی توجیہہ ضروری تھی اور ان میں سرفہرست معاملہ شاداں کا تھا۔ قتل کے سزا یافتہ مجرم حیدر علی کی بیوی شاداں......!

☆☆☆

رات کے کھانے کے بعد میں نے کچھ وقت ہیڈ کوارٹر سے آئے ہوئے مہمانوں کے ساتھ گزارا۔ اگلی صبح انہیں واپس لوٹ جانا تھا۔ مجھے اس بات کا سخت افسوس تھا کہ میں ان کے کسی کام نہیں آسکا تھا، اگرچہ میں نے ان کی مدد کرنے میں اپنی طرف سے کوئی کوتاہی نہیں برتی تھی۔ امداد علی نے جب مجھ سے چند کاغذ اور قلم مانگا تو میرے دل میں موجود افسوس زبان تک چلا آیا۔

''ملک صاحب! میں سوچ رہا ہوں، سونے سے پہلے ان دو دنوں کی کارگزاری کی رپورٹ تیار کرلوں۔'' امداد علی نے مجھ سے کہا۔ ''اس کام کے لیے مجھے آپ چند سادہ کاغذ اور ایک قلم عنایت فرمائیں۔ ہم کل صبح یہاں سے روانہ ہوجائیں گے۔''

میں نے کاغذ اور قلم سب انسپکٹر کو دینے کے بعد کہا۔ ''امداد علی! مجھے اس بات کا دکھ ہمیشہ رہے گا کہ آپ لوگ جس مقصد سے میرے پاس آئے تھے، وہ حاصل نہ ہوسکا!''

''اس میں آپ کا کوئی قصور نہیں ملک صاحب!'' وہ گہری سنجیدگی سے بولا۔ ''آپ دکھی نہ ہوں۔ آپ نے اپنے اختیارات کا استعمال کرتے ہوئے ہم سے بھرپور تعاون کیا ہے۔''

''امداد علی! میں ایک اور بات بھی سوچ رہا ہوں......'' میں نے پُرخیال انداز میں کہا۔

وہ الجھن زدہ نظر سے مجھے دیکھتے ہوئے بولا۔ ''کون سی بات؟''

''یہ بھی تو ہوسکتا ہے، ہاشو کو یہ بات اچھی طرح معلوم ہو کہ جیل کا عملہ قیدیوں کا کوئی بھی خط پڑھے بغیر آگے نہیں بڑھاتا۔'' میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔ ''وہ کوئی نوآموز اور نوسکھیا نہیں ہے۔ وہ ایک پکا خطرناک مجرم ہے۔ ایسے جرائم پیشہ افراد قانون کے اختیارات اور کمزوریوں کے حوالے سے مکمل معلومات رکھتے ہیں......!''

''کہہ تو آپ بالکل ٹھیک رہے ہیں ملک صاحب!'' وہ سرسراتی ہوئی آواز میں بولا۔ ''لیکن میں سمجھ نہیں پایا کہ موجودہ صورتِ حال میں آپ کہنا کیا چاہ رہے ہیں؟''

''میرے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ......'' میں نے وضاحت کرتے ہوئے کہا۔ ''عین ممکن ہے کہ ہاشو نے جیل کے عملے بہ الفاظِ دیگر محکمۂ پولیس کو گمراہ کرنے کے لیے وہ خط لکھا ہو۔ اس نے اپنا مال وزر کہیں اور چھپا رکھا ہو اور اس کی خواہش ہو کہ پولیس حیدر علی کی زمین واقع چک بیالیس میں الجھ کر رہ جائے......''

''آپ جیسا سوچ رہے ہیں، ویسا ہونا ناممکن نہیں ہے ملک صاحب!'' وہ گمبھیر انداز میں بولا۔ ''اور اگر ایسا ہے تو اس کی حقیقت کو کھلنے میں زیادہ دیر نہیں لگے گی۔ یہ بات تو طے ہوگئی کہ ہاشو نے اپنا مال حیدر علی کی اراضی میں دفن نہیں کیا تھا۔''

''مگر اس نے کہیں نہ کہیں لوٹے ہوئے طلائی زیورات، سونے کے بسکٹس اور نقدی کو ضرور چھپا کر رکھا ہے......'' میں نے سوچ میں ڈوبے ہوئے لہجے میں کہا۔ ''ظاہر ہے وہ اس مال وزر کو اپنے ساتھ ساتھ تو لیے نہیں گھوم رہا۔ میں سمجھتا ہوں...... میں سمجھتا ہوں......'' میں نے لمحاتی توقف کر کے ایک گہری سانس خارج کی پھر اپنی بات مکمل کرتے ہوئے کہا۔

''اگر متعلقہ حکام دو زاویوں پر تفتیش کا عمل تیز کردیں تو اس گتھی کو سلجھانے میں بہت مدد مل سکتی ہے۔''

''آپ کن دو زاویوں کی بات کر رہے ہیں ملک صاحب؟'' اس نے پُراشتیاق نظر سے مجھے دیکھا۔

''جس خط کی تحریر نے آپ دونوں کو یہاں آنے پر مجبور کردیا ہے، وہ خط ہاشو نے اپنے ایک بھائی بند خوشیا تیلی کے نام لکھا تھا۔'' میں نے اپنے نقطۂ نظر کی وضاحت کرتے ہوئے کہا۔ ''مذکورہ خط ظاہر ہے، خوشیا تیلی تک نہیں پہنچ سکا لہٰذا یہ بات تو طے ہے کہ خوشیا، ہاشو کے اس قیمتی دفینے کے بارے میں کچھ جانتا ہے اور نہ ہی اسے یہ خبر ہے کہ دس روز بعد (ہاشو کی تحریر کے مطابق) ہاشو کو اوکاڑہ جیل سے اٹک جیل منتقل کیا جانے والا ہے۔ میں غلط تو نہیں کہہ رہا امداد علی؟''

بات کے اختتام پر میں نے سوالیہ نظر سے مہمان سب انسپکٹر کی طرف دیکھا تو وہ اضطرار آمیز لہجے میں جلدی سے بولا۔

''نہیں ملک صاحب...... آپ بالکل درست کہہ رہے

ہیں لیکن میں سمجھ نہیں پا رہا ہوں کہ اس میں وہ دو اہم زاویے کون سے ہیں، تھوڑی دیر پہلے آپ نے جن کا ذکر کیا تھا......؟''

''میں اسی طرف آرہا ہوں امداد علی......'' میں نے سب انسپکٹر کی بے چینی پر سکون کا مرہم لگاتے ہوئے پُراعتماد لہجے میں کہا۔ ''آپ نے بتایا تھا کہ ڈسٹرکٹ ہیڈ کوارٹر والوں نے خوشیا تیلی کی گرفتاری کے لیے ایک پولیس پارٹی چیچہ وطنی روانہ کردی ہے اور ہاشو کو فی الفور اٹک جیل میں منتقل کیا جارہا ہے......ایسا ہی ہے نا؟''

''جی بالکل......!'' وہ اثبات میں گردن ہلاتے ہوئے بولا۔ ''میں نے آپ کو بتایا تھا کہ پولیس ڈیپارٹمنٹ نے دو فیصلے ایک ساتھ کیے ہیں۔ نمبر ایک، ڈسٹرکٹ ہیڈ کوارٹر نے اوکاڑہ جیل کے حکام کو ہدایت دی ہے کہ وہ لوگ فوری طور پر ہاشو کو اٹک جیل منتقل کردیں۔ اس کام کے لیے دس دن تک انتظار کرنے کی ضرورت نہیں۔ نمبر دو، اس کے ساتھ ہی خوشیا کی فوری گرفتاری کے لیے چیچہ وطنی کی پولیس کو ہوشیار کردیا گیا ہے......''

''بس، تو وہ دو اہم زاویے ہاشو اور خوشیا ہی ہیں۔'' میں نے امداد علی کے خاموش ہونے پر ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔ ''اگر آپ کے بیان کردہ پولیس ڈیپارٹمنٹ کے دو فیصلوں پر فوری عمل کردیا گیا ہے تو اس وقت ہاشو اٹک جیل میں اور خوشیا چیچہ وطنی کی پولیس کی تحویل میں پہنچ گئے ہوں گے......''

''جی، میرا بھی یہی خیال ہے!'' امداد علی تائیدی انداز میں گردن ہلاتے ہوئے بولا پھر سوالیہ نظر سے مجھے تکنے لگا۔

''میں یہ سمجھتا ہوں کہ خوشیا سے کڑی پوچھ تاچھ کی جانا چاہیے۔'' میں نے صلاح دینے والے انداز میں کہا۔ ''اگر وہ پیلے اناج والے دفینے کے راز سے واقف نہیں بھی تو ہاشو کے بارے میں بہت کچھ جانتا ہوگا۔ اس پر ہونے والی تفتیش سے خاصی سودمند معلومات حاصل ہوسکتی ہیں۔ ہاشو تئیں خوشیا کی بڑی اہمیت ہے اسی لیے اس نے آخری امید کے طور پر اس سے فرار میں مدد مانگی تھی۔ اس کے علاوہ......'' میں سانس ہموار کرنے کے لیے تھما پھر سلسلۂ کلام کو جاری رکھتے ہوئے کہا۔

''اس وقت تک ہاشو کو یقیناً اٹک جیل میں منتقل کیا جاچکا ہوگا۔ اس نے دس روز بعد خوشیا کو ہنگامی کارروائی کرنے کا اشارہ دیا تھا۔ جب اسے اوکاڑہ جیل سے اٹک جیل منتقل کیا جانے والا تھا لیکن جیل حکام کی فوری ایمرجنسی کارروائی نے ہاشو کو بوکھلا کر رکھ دیا ہوگا۔ اغلب امکان اس بات کا ہے کہ اس نے اٹک جیل پہنچتے ہی خوشیا کے نام ایک نئی چٹھی لکھی ہوگی جس میں اس نے خوشیا کو آئندہ کے لائحہ عمل کے بارے میں بتایا ہوگا۔ اگر ہاشو کی کوئی تازہ ترین چٹھی جیل حکام کے ہاتھ لگی ہو تو اس لپ گور کیس میں ایک نئی اور توانا زندگی دوڑ سکتی ہے۔ اس امر میں تو کسی شک وشبے کی گنجائش نہیں کہ ہاشو نے لوٹے ہوئے سونے اور کرنسی نوٹوں کو کہیں نہ کہیں چھپا رکھا ہے......!''

''آپ کی اس وضاحت میں کئی ایک نادر الوجود مشورے بھی چھپے ہوئے ہیں۔'' وہ تشکرانہ انداز میں مجھے دیکھتے ہوئے بولا۔ ''میں اپنی تفصیلی رپورٹ میں کیس کے ان پہلوؤں کا ذکر کروں گا۔ آگے افسروں کی مرضی......!''

''مجھے یقین ہے، ہیڈ کوارٹر میں بیٹھے ہوئے ہمارے سینئرز ان اہم پوائنٹس کو نظر انداز نہیں کریں گے۔'' میں نے کہا۔

''میرا بھی یہی خیال ہے ملک صاحب!'' اس نے سر کو تائیدی جنبش دی۔ ''ان پوائنٹس کی اہمیت سے کوئی بھی انکار نہیں کرسکتا۔''

''ٹھیک ہے امداد علی!'' میں نے اٹھ کر کھڑے ہوتے ہوئے کہا۔ ''آپ اپنی رپورٹ کی تیاری میں لگ جائیں۔ میں آرام کرنے کوارٹر میں جارہا ہوں۔ کل صبح ملاقات ہوگی......شب بخیر!''

''انشاء اللہ ضرور......'' وہ ٹھہرے ہوئے لہجے میں بولا۔ ''اور آپ کو بھی شب بخیر......''

میں اپنے کمرے سے نکلا تو برآمدے میں کانسٹیبل اشفاق سے ملاقات ہوگئی۔ اس کے چہرے پر مجھے دبا دبا جوش نظر آیا۔ مجھے یوں محسوس ہوا جیسے وہ مجھ سے کوئی خاص بات کہنا چاہ رہا ہو۔ آج کی رات ہماری ملاقات تو ویسے بھی طے تھی۔ میں نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے معتدل انداز میں کہا۔

''اشفاق! تم آدھے گھنٹے تک میرے کوارٹر میں آجاؤ تب تک میں عشا کی نماز ادا کرلیتا ہوں۔ پھر اطمینان سے بیٹھ کر بات کریں گے۔''

''ٹھیک ہے سر......'' وہ فرماں برداری سے بولا۔ ''جو آپ کا حکم۔''

آج رات کا کھانا میں نے جلدی کھالیا تھا۔ اس کے بعد ہی میں گپ شپ کے لیے مہمانوں کے ساتھ تھانے میں بیٹھ گیا تھا۔ میں نے اپنے کوارٹر میں آکر پورے انہماک کے ساتھ عشا کی نماز ادا کی پھر کوارٹر کے صحن میں شب بسری

کے لیے چارپائی بچھا کر اس پر مچھر دانی لگا دی۔ ان دنوں موسم خاصا گرم تھا اور رات میں اچھا خاصا حبس بھی ہوتا تھا لہٰذا نیند پوری کرنے کے لیے کھلے آسمان والے صحن سے بہتر اور کوئی جگہ ہو نہیں سکتی تھی اور مچھر دانی کا استعمال کیوں ناگزیر تھا، یہ آپ بہ خوبی سمجھ سکتے ہیں۔

میں نے صحن ہی میں چارپائی کے نزدیک دو کرسیاں بھی ڈال دی تھیں تاکہ وہاں بیٹھ کر اشفاق کے ساتھ گفتگو کی جاسکے۔ تھوڑی ہی دیر میں اشفاق مجھ سے ملنے آ گیا۔

جیسا کہ میں بتا چکا ہوں اشفاق، چک بیالس کا رہنے والا تھا۔ اس کی عمر لگ بھگ پچیس سال رہی ہوگی۔ وہ مضبوط بدن کا مالک ایک میانہ قد شخص تھا۔ اس کی ابھی تک شادی نہیں ہوئی تھی۔ اے ایس آئی حامد مغل نے اس کی صلاحیتوں کی بڑی تعریف کی تھی اور میں نے دیکھا، وہ پچھلی رات اس تعریف پر پورا بھی اترا تھا۔ آئندہ وہ کس حد تک مفید ثابت ہو سکتا تھا اس کا تعین آنے والے وقت نے کرنا تھا۔

ہم دونوں چوبی کرسیوں پر روبرو بیٹھ چکے تو میں نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔ ''ہاں بھئی اشفاق! کوئی نئی خبر ہے تمہارے پاس......؟''

''ملک صاحب......!'' وہ منت ریز لہجے میں بولا۔ ''خبر میں آپ کو بعد میں بتاؤں گا، اس سے پہلے مجھے آپ سے معافی مانگنا ہے۔''

''معافی...... کس چیز کی معافی!'' میں نے الجھن زدہ نظروں سے اس کی طرف دیکھا اور پوچھا۔ ''تم نے ایسا کیا کر دیا ہے اشفاق؟''

''سر! میں نے آپ سے ایک خاص بات چھپائی تھی۔'' وہ معذرت خواہانہ انداز میں بولا۔ ''لیکن اس میں میری کوئی بدنیتی شامل نہیں تھی......!''

''خیر ہے......!'' میں نے تسلی آمیز انداز میں کہا۔ ''سمجھ لو، میں نے تمہاری اس غلطی کو معاف کر دیا۔ تم اپنے دل و دماغ کو ہر قسم کے بوجھ سے آزاد کر دو اور مجھے بتاؤ، مجھ سے کیا چھپایا تھا؟''

''جناب! گاؤں میں میرا ایک بہت ہی گہرا دوست ہے جس کا نام کریم بخش ہے۔'' وہ وضاحت کرتے ہوئے بولا۔ ''کریم بخش کو جاسوسی کا بہت شوق ہے۔ میں نے پچھلی رات، آپ کے علم میں لائے بغیر کریم بخش کو بھی نگرانی والے کام میں شامل کر لیا تھا۔ ہم دونوں نے ایک گھنے درخت کی توانا شاخ پر بیٹھ کر پوری رات حیدر علی کے کھیتوں پر نگاہ رکھی تھی......!''

''ٹھیک ہو گیا......'' میں نے گہری نظر سے اسے گھورا اور سوال کیا۔ ''تو کیا کریم بخش کی معیت سے تمہاری ڈیوٹی کسی طرح متاثر ہوئی ہے؟''

''نہیں ملک صاحب......'' وہ جلدی سے نفی میں گردن ہلاتے ہوئے بولا۔ ''بلکہ اس کی موجودگی کافی مفید ثابت ہوئی ہے۔''

''وہ کیسے......؟'' میں نے سرسراتی ہوئی آواز میں استفسار کیا۔ ''تمہارا اشارہ کس فائدے کی جانب ہے؟''

''بات یہ ہے ملک صاحب......'' وہ رازدارانہ انداز میں وضاحت کرتے ہوئے بولا۔ ''آج صبح جب میں اپنی نگرانی والی ڈیوٹی ختم کر کے تھانے کی طرف آیا تو میں نے کریم بخش کو تاکید کر دی تھی کہ وہ کچھ دیر تک ادھر ہی موجود رہے اور جب تک صبح کا اجالا اچھی طرح پھیل نہ جائے، وہ نگرانی کا کام جاری رکھے۔ یہ سب میں نے حفظِ ماتقدم کے طور پر کیا تھا تاکہ میرے بعد اگر حیدر علی کی زمین پر کوئی غیر معمولی واقعہ پیش آئے تو اس کا ہمیں علم ہو جائے......''

''اور اب تم مجھے یہ بتانا چاہ رہے ہو کہ......'' میں نے قطع کلامی کرتے ہوئے کہا۔ ''تمہارے آنے کے بعد کریم بخش نے حیدر علی کی اراضی پر کوئی خاص چیز دیکھی تھی...... ہے نا؟''

میں نے اشفاق کے جوش اور چہرے کے تاثرات سے یہ اندازہ لگایا تھا کہ اس کے دوست کریم بخش نے جائے وقوعہ پر کچھ غیر معمولی دیکھا تھا۔ اشفاق کے جواب نے میرے اندازے کی تصدیق کر دی۔

''جی ملک صاحب!'' وہ اثبات میں گردن ہلاتے ہوئے بولا۔ ''میں جب درخت سے اترا، اس وقت تک صبح نہیں ہوئی تھی۔ میرے آنے کے چند منٹ بعد کریم بخش نے چودھری صاحب کے ٹریکٹر کو حیدر علی کی زمین کی طرف آتے دیکھا۔ تھوڑی ہی دیر میں سرخ رنگت والا وہ ٹریکٹر ان کھیتوں میں پہنچ گیا جہاں ابھی ہل نہیں چلایا گیا تھا۔ ٹریکٹر پر تین افراد سوار تھے۔ کھنڈی، ساجد اور یعقوب......'' لمحاتی توقف کر کے اس نے ایک گہری سانس خارج کی پھر اپنے بیان کو آگے بڑھاتے ہوئے بولا۔

''کھنڈی ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھا رہا جبکہ ساجد اور یعقوب ٹریکٹر سے نیچے اتر گئے تھے۔ اس موقع پر کریم بخش نے ان دونوں کے ہاتھوں میں بیلچہ اور کدال بھی دیکھی۔ ان تینوں نے محتاط نظروں سے گردونواح کا جائزہ

لیا۔ اس وقت ان کے سوا کوئی اور بندہ بشر وہاں موجود نہیں تھا۔ ہر طرف سے مطمئن ہونے کے بعد کھنڈی نے ٹریکٹر کے پیچھے بندھے ہوئے آہنی ہل کی مدد سے ایک کھیت کے کونے پر کھدائی کا کام شروع کر دیا۔ جب زمین کی سطح اچھی طرح ادھڑ گئی تو ساجد اور یعقوب میدان عمل میں اتر آئے۔ انہوں نے بیلچے اور کدال کی مدد سے زمین کے اس مقام کو کافی گہرائی تک کھود ڈالا اور پھر اندر سے ایک صندوق برآمد کر لیا......''

''صندوق......!'' کانسٹیبل کی بات مکمل ہونے سے پہلے ہی میں بے ساختہ بول پڑا۔ ''کیسا صندوق......؟''

''ملک صاحب! کریم بخش کے بیان کے مطابق، وہ ایک جستی صندوق تھا۔'' اشفاق نے میرے استفسار کے جواب میں بتایا۔ ''پھر ساجد اور یعقوب نے صندوق کے سائڈ والے کنڈوں میں ہاتھ ڈال کر اسے اٹھا لیا اور تیز قدموں سے چلتے ہوئے ڈیرے کی جانب بڑھ گئے۔ ان کے جانے کے بعد کھنڈی نے کھیتوں کی کھدائی کا کام شروع کر دیا تھا۔ کریم بخش چپکے سے درخت سے اترا اور تھوڑا فاصلہ رکھ کر صندوق بردار ساجد اور یعقوب کے تعاقب میں چل پڑا۔ جب وہ دونوں صندوق سمیت ڈیرے کے اندر غائب ہو گئے تو کریم بخش وہاں سے واپس آ گیا۔''

اشفاق کی بیان کردہ کہانی سن کر میرا ماتھا ٹھنکا۔ میرے ذہن میں پہلا خیال یہی آیا کہ کیا چودھری عبدالرحمٰن کو کسی طرح یہ خبر ہو گئی تھی کہ حیدر علی کی زمینوں میں ہاشو نے اپنا بیش بہا طلائی خزانہ دفن کر رکھا ہے اسی لیے اس زمین کی کھدائی کی وجہ سے چودھری کے پیٹ میں مروڑ اٹھنے لگے تھے۔ وہ نہ صرف خود ہماری کارروائی کا جائزہ لینے کھیتوں میں چلا آیا تھا بلکہ پچھلی رات ساجد اور یعقوب بھی بڑے پراسرار انداز میں دو کھدے ہوئے اور دو اَن کھدے کھیتوں کا معائنہ کرنے آئے تھے اور پھر آج صبح انہوں نے ایک کھیت کے کونے میں کھدائی کر کے وہ جستی صندوق برآمد کر لیا تھا جس کا ابھی اشفاق نے ذکر کیا تھا......؟

یہ تمام تر خطرناک اور سنسنی خیز خیالات ایک سیکنڈ میں میرے ذہن سے گزر گئے پھر میں نے اضطراری لہجے میں استفسار کیا۔ ''اشفاق! جستی صندوق کی برآمدگی والا واقعہ آج صبح کا ہے اور تم اب مجھے اس کے بارے میں بتا رہے ہو۔ اس تاخیر بلکہ غفلت کا سبب کیا ہے؟''

''ملک صاحب! میں تو گھر جا کر اطمینان سے سو گیا تھا۔'' اس نے اپنی صفائی پیش کرتے ہوئے کہا۔ ''ابھی شام سے تھوڑی دیر پہلے جب میں تھانے کی طرف آ رہا تھا تو کریم بخش سے میری ملاقات ہوئی۔ تب اس نے مجھے یہ واقعہ سنایا ہے۔ جب میں تھانے پہنچا تو آپ مہمانوں کے ساتھ مصروف تھے اس لیے آپ سے بات کرنے کا موقع نہیں مل سکا......''

''ہوں......'' میں نے ایک گہری سانس خارج کرتے ہوئے کانسٹیبل سے پوچھا۔ ''تمہیں کچھ اندازہ ہے، اس جستی صندوق کے اندر کیا ہو گا؟''

''مقتول کی وہی لاش جس کی آپ کو تلاش ہے۔'' وہ سادگی سے بولا۔ ''اور اسی سلسلے میں آپ نے حیدر علی کی زمین میں کھدائی کروائی ہے......''

ہاشم عرف ہاشو ڈکیت کے پیلے اناج یعنی سنہری خزانے کا راز میں نے اپنے اسٹاف میں صرف اے ایس آئی حامد مغل سے شیئر کیا تھا۔ تھانے کے اندر اور باہر باقی سب کے لیے وہی پالیسی بیان تھا جس کا ذکر کانسٹیبل اشفاق کر رہا تھا۔ یہ حکمتِ عملی محض احتیاط کے پیش نظر اختیار کی گئی تھی۔

مجھے سوچ میں ڈوبا دیکھ کر اس نے سہمے ہوئے انداز میں پوچھا۔ ''ملک صاحب! آپ مجھ سے ناراض تو نہیں ہیں نا؟''

''جب میں نے تمہیں معاف کرنے کی خوشخبری سنا دی تو پھر ناراضی کا کیا سوال۔'' میں نے کہا اور پوچھا۔ ''جس ڈیرے کا تم نے ذکر کیا وہاں پر کون کون ہوتا ہے؟''

''پہلے تو کھنڈی اور ماکھا ڈیرے کے معاملات کو دیکھتے تھے۔'' اس نے بتایا۔ ''ماکھا کی موت کے بعد ساجد علی نے اس کی جگہ سنبھال لی ہے۔ اگر کام زیادہ ہو تو یعقوب بھی ان کی مدد کے لیے ڈیرے پر رک جاتا ہے۔ ایسا عموماً کسی فصل کے زمانے میں ہوتا ہے کیونکہ چودھری صاحب کی جتنی بھی اراضی ہے اس کی زراعت اور کاشت کاری کے تمام امور کی نگرانی اسی ڈیرے سے کی جاتی ہے۔''

''اور...... اس جستی صندوق کو چودھری عبدالرحمٰن کے اسی ڈیرے پر پہنچا دیا گیا ہے۔'' میں نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔ ''تمہارا کیا اندازہ ہے، صندوق ابھی تک ادھر ڈیرے پر ہی ہو گا؟''

میں نے یہ سوال روا روی میں کر دیا تھا لیکن مجھے امید نہیں تھی کہ اشفاق اس کا کوئی تسلی بخش جواب دے پائے گا مگر میری توقع کے متناقض، حیرت انگیز طور پر وہ بڑے اعتماد سے بولا۔

''مجھے یقین ہے ملک صاحب، وہ صندوق ڈیرے میں کہیں چھپانے کی غرض ہی سے حیدر علی کی زمین سے نکالا

گیا ہے اور عین ممکن ہے کہ اب اسے ڈیرے کے کسی حصے میں دفن کر دیا گیا ہو......''

''میں تمہاری بات سے اس حد تک تو متفق ہوں کہ کھدائی کے کام نے چودھری کو بری طرح بوکھلا کر رکھ دیا تھا۔'' میں نے کانسٹیبل کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔ ''اس صندوق کے اندر جو بھی راز بند ہے اس کا چودھری کے ساتھ گہرا تعلق ہے۔ اسے یہ خوف محسوس ہوا تھا کہ میں کہیں اس کے کسی اہم راز سے واقف نہ ہو جاؤں اسی لیے اس نے اپنے بندوں کی مدد سے اس جستی صندوق کو حیدر علی کی زمین سے نکلوا کر ڈیرے پر پہنچوا دیا ہے۔ میں بہت جلد چودھری کے اس راز تک تو پہنچ ہی جاؤں گا......تم مجھے صرف اتنا بتاؤ کہ تمہیں کس بنا پر یقین ہے کہ اس صندوق کو ڈیرے سے نکال کر کہیں اور نہیں پہنچا دیا گیا؟''

''میرے یقین کا بنیادی سبب کریم بخش کا مشاہدہ ہے ملک صاحب!'' کانسٹیبل نے رسان بھرے لہجے میں جواب دیا۔ ''اس نے مجھے بتایا ہے کہ جب ساجد علی اور یعقوب احمد جستی صندوق کے ساتھ ڈیرے کے اندر غائب ہو گئے تو وہ لگ بھگ ایک گھنٹے تک، ایک آڑ میں چھپ کر ڈیرے کے گیٹ کو دیکھتا رہا تھا۔ جب اسے اطمینان ہو گیا کہ ان میں سے کوئی باہر آیا ہے اور نہ ہی باہر آنے کا ان کا کوئی ارادہ نظر آ رہا ہے تو وہ سمجھ گیا کہ وہ دونوں صندوق کو ڈیرے کے اندر ہی کہیں ٹھکانے لگانے میں مصروف ہیں۔ پھر کریم بخش اپنے گھر چلا گیا تھا۔''

کانسٹیبل کی بات میں وزن تھا۔ لگتا یہی تھا کہ مذکورہ جستی صندوق اس وقت چودھری کے ڈیرے کے کسی حصے میں موجود تھا۔ اگر میں بروقت کارروائی کرتا تو اس صندوق کے معمے کو چٹکی بجاتے میں حل کیا جا سکتا تھا۔ میں نے فی الفور ڈیرے پر چڑھائی کرنے کا فیصلہ کیا اور کانسٹیبل سے کہا۔

''تم نے تھانے میں کسی سے اس صندوق کا ذکر تو نہیں کیا؟''

''نہیں جناب...... بالکل نہیں۔'' وہ بڑے اعتماد سے بولا۔

''ٹھیک ہے......تم اے ایس آئی کو میرے پاس بھیج دو اور خود کسی تانگے کا انتظام کرو۔'' میں نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔ ''ہم...... ابھی اور اسی وقت چودھری عبدالرحمٰن کے ڈیرے پر ریڈ کرنے جا رہے ہیں۔''

''ہم ...... مطلب، میں بھی آپ کے ساتھ چلوں گا؟'' اس نے سوالیہ نظر سے میری طرف دیکھا۔

''ہم تینوں!'' میں نے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے کہا۔ ''میں، تم اور حامد مغل۔ تم دونوں تانگے میں بیٹھ کر چند گز آگے جاؤ گے۔ میں وہیں پر آ کر تم لوگوں سے مل جاؤں گا اور ہاں ...... ہیڈ کوارٹر سے آئے ہوئے دونوں مہمانوں کو ہماری اس کارروائی کی بھنک نہیں پڑنا چاہیے۔ تم میری بات سمجھ رہے ہو نا؟''

''جی ملک صاحب......!'' وہ اثبات میں گردن ہلاتے ہوئے ٹھوس انداز میں بولا۔ ''جب تک آپ اس صندوق کے راز سے واقف نہیں ہو جاتے، اس معاملے کو خفیہ رکھنا چاہتے ہیں۔ اگر میں غلط نہیں سوچ رہا تو آپ ان دونوں مہمانوں کو کوئی بڑا سرپرائز دینے کا ارادہ رکھتے ہیں......!''

''تم غلط نہیں سوچ رہے......'' میں نے صاف گوئی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا۔ ''یہ دونوں بندے ہیڈ کوارٹر سے بڑی آس لے کر میرے پاس آئے تھے اور ادھر ہیڈ کوارٹر میں بیٹھے ہوئے سینئر افسران کی امید بھری نظریں بھی مجھ ہی پر لگی ہوئی ہیں۔ میں ان مہمانوں کو خالی ہاتھ لوٹانا چاہتا ہوں اور نہ ہی اپنے سینئرز کو مایوس کرنے کا ارادہ ہے لہٰذا ایک ٹرائی کرنے میں کیا حرج ہے۔ ہوسکتا ہے اس کوشش سے میں سب کی توقعات پر پورا اتر پاؤں......!''

اشفاق چند لمحات تک عقیدت بھری نظر سے مجھے تکتا رہا پھر یہ کہتے ہوئے وہ میرے کوارٹر سے نکل گیا۔ ''ٹھیک ہے ملک صاحب! میں ابھی حامد مغل کو آپ کے پاس بھیجتا ہوں۔''

اشفاق کے جانے کے بعد میں اپنی تیاری میں لگ گیا۔

☆☆☆

وہ موسم گرما کی ایک حبس زدہ رات تھی۔ فضا ساکت اور ہوا کے نام و نشان سے بے نیاز تھی۔ ہم تینوں ایک تانگے پر سوار ہو کر چک بیالیس کی جانب رواں دواں تھے۔ اشفاق نے تانگے کا بندوبست تو کر لیا تھا تاہم کوچوان کی عدم دستیابی کے باعث تانگابانی کی ڈیوٹی اشفاق نے اپنے ذمے لے لی تھی۔ اشفاق اور حامد مغل یونیفارم میں تھے جبکہ میں سادہ لباس میں۔ ہم ریڈ اور گرفتاری کے مکمل انتظامات کے ساتھ تھانے سے نکلے تھے۔ دونوں مہمانوں اور تھانے کے دیگر عملے کی معلومات کے مطابق، میں اس وقت اپنے کوارٹر میں گہری نیند کے مزے لوٹ رہا تھا۔

وہ لگ بھگ رات گیارہ بجے کا عمل تھا۔ حامد مغل جب میرے کوارٹر پر آیا تھا تو میں نے اسے اس ریڈ کے حوالے سے تفصیلاً بتا دیا تھا۔ یہ بات اے ایس آئی کے علم میں تھی کہ اشفاق کو پاشو والے دفینے کا راز معلوم نہیں ہے۔ حامد مغل تانگے کی پچھلی نشست پر براجمان تھا جبکہ میں

اشفاق کے ساتھ اگلی سیٹ پر بیٹھا ہوا تھا اور گھوڑے کی لگامیں اشفاق کے ہاتھ میں تھیں۔ کچے راستے پر ہمارا تانگا سبک خرامی سے حیدر علی کی اراضی اور چودھری عبدالرحمٰن کے ڈیرے کی جانب بڑھ رہا تھا۔ میں حسب پروگرام تھانے سے تھوڑے فاصلے پر تانگے پر سوار ہوا تھا۔ میں اپنے کوارٹر سے سیدھا اس مقام پر پہنچا تھا۔

''حامد!'' میں نے اُے ایس آئی کو مخاطب کرتے ہوئے پوچھا۔ ''ہمارے مہمانوں کا کیا حال ہے۔ جب تم تھانے سے نکلے تو وہ دونوں کیا کر رہے تھے؟''

''خادم حسین تو سو چکا تھا ملک صاحب۔'' اس نے بتایا۔ ''اور امداد علی رپورٹ تیار کرنے میں مصروف تھا۔''

''مجھے لگتا ہے، سب انسپکٹر صاحب کی محنت ضائع ہو جائے گی۔'' اشفاق نے فلسفیانہ انداز میں کہا۔

''وہ کیسے بھئی؟'' میں نے چونکے ہوئے لہجے میں استفسار کیا۔

''وہ اس طرح ملک صاحب کہ......'' اس نے بڑے اعتماد سے جواب دیا۔ ''سب انسپکٹر صاحب جو رپورٹ تیار کر رہے ہیں اس میں ناکامیوں اور نامرادیوں کے سوا اور کچھ بھی نہیں ہے لیکن جب ہم تھانے واپس لوٹیں گے تو حالات بدل چکے ہوں گے۔ جستی صندوق جب کھلے گا تو سب انسپکٹر صاحب کو دوبارہ ایک نئی رپورٹ تیار کرنا پڑے گی جو خوشخبریوں سے بھری ہو گی۔''

''اللہ تمہاری زبان مبارک کرے اشفاق!'' میں نے تہ دل سے کہا۔ ''کسی بڑی کامیابی کے لیے اگر تیار شدہ دس رپورٹس کو بھی پھاڑ کر پھینکنا پڑے تو یہ گھاٹے کا سودا نہیں۔''

''ملک صاحب! چودھری عبدالرحمٰن پر آپ کا شک بالکل درست تھا۔'' حامد مغل نے سوچ میں ڈوبے ہوئے لہجے میں کہا۔ ''آپ نے جیسے ہی حیدر علی کے کھیتوں میں کھدائی کا کام شروع کیا، اسے پیٹ میں درد اٹھنے لگا تھا۔ اس کی بے قراری کھلم کھلا اعلان کر رہی تھی کہ اس کا کوئی انتہائی اہم معاملہ حیدر علی کی زمین کے ساتھ جڑا ہوا ہے۔ کھنڈی نے جو جستی صندوق زمین کے اندر سے نکال کر ساجد اور یعقوب کے ذریعے ڈیرے پر پہنچایا ہے، اس کے اندر سے کیا برآمد ہوتا ہے، یہ تو صندوق کو کھولنے کے بعد ہی پتا چلے گا۔''

''تم ٹھیک کہہ رہے ہو حامد!'' میں نے اس کی بات سے اتفاق کرتے ہوئے کہا اور پھر پوچھا۔ ''بہر حال، چودھری کے ڈیرے پر کتنے لوگوں سے ہمارا سامنا ہو سکتا ہے؟''

''کم از کم دو اور زیادہ سے زیادہ تین افراد سے۔'' حامد مغل نے جواب دیا۔ ''ساجد اور یعقوب کی وہاں موجودگی تو یقینی ہے اور عین ممکن ہے کہ کھنڈی بھی ہمیں ادھر ہی مل جائے......!''

''ہم ان سے نمٹنے کا شافی انتظام کر کے آئے ہیں۔'' میں نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔ ''انشاء اللہ! کامیابی ہمارا مقدر ٹھہرے گی۔''

''انشاءاللہ......!'' انہوں نے بہ یک زبان ہو کر کہا۔

''چودھری عبدالرحمٰن کے اسرار پر سے تو تھوڑی دیر کے بعد پردہ اٹھ جائے گا۔'' میں نے سوچ میں ڈوبے ہوئے لہجے میں کہا۔ ''لیکن چودھری کے علاوہ ایک اور کردار بھی میرے ذہن میں کھٹک رہا ہے۔ اس کا رویہ غیر فطری ہے اور مجھے الجھا رہا ہے......!''

''آپ کس کردار کی بات کر رہے ہیں ملک صاحب؟'' اے ایس آئی نے گہری دلچسپی لیتے ہوئے مجھ سے پوچھا۔

''حیدر علی کی بیوی شاداں......'' میں نے انکشاف انگیز انداز میں جواب دیا۔

اے ایس آئی نے پوچھا۔ ''ملک صاحب! شاداں کو کیا ہوا ہے؟''

''یہ ٹھیک ہے کہ اس کا گھر والا پچھلے دو سال سے جیل میں اپنے کیے کی سزا کاٹ رہا ہے۔'' میں نے اپنی الجھن کو بیان کرتے ہوئے کہا۔ ''ہم دو دن تک حیدر علی کی چار ایکڑ اراضی میں کھدائی کا کام کرتے رہے اور پورا چک بیالیس یہ بات جانتا ہے کہ پولیس کسی نامعلوم مقتول کی لاش کو کھوج رہی ہے جو کسی نامعلوم قاتل نے حیدر علی کی زمین میں دبا رکھی ہے۔ حیدر علی جیل سے نکل کر اپنی زمین کا حال چال پوچھنے نہیں آ سکتا تھا مگر شاداں تو ادھر گاؤں ہی میں موجود ہے۔ وہ ایک بار بھی یہ دیکھنے نہیں آئی کہ ان کی زمین پر آخر ہو کیا رہا ہے! شاداں کا یہ طرز عمل مجھے ہضم نہیں ہو رہا۔''

''آپ کی بات میں وزن ہے ملک صاحب!'' اے ایس آئی نے معتدل انداز میں کہا۔ ''شاداں کا رویہ واقعی الجھانے والا ہے لیکن میں سمجھتا ہوں، شاداں کے اس طرز عمل کی وضاحت اشفاق زیادہ بہتر انداز میں کر سکتا ہے۔ یہ چک بیالیس ہی کا رہنے والا ہے اور شاداں کے بارے میں ہم دونوں سے زیادہ جانتا ہے۔''

''اشفاق......!'' میں نے کوچوان کے فرائض انجام دینے والے کانسٹیبل کو مخاطب کرتے ہوئے پوچھا۔ ''تم کیا کہتے ہو، بیچ اس مسئلے کے......؟''

''ملک صاحب! حیدر علی کے جیل جانے سے پہلے تک شاداں بڑی شوخ وچنچل ہوا کرتی تھی۔'' اشفاق ایک گہری سانس خارج کرتے ہوئے ہوا۔ ''حیدر علی کی بہ نسبت وہ کافی ملنسار تھی لیکن جب سے حیدر علی کو سزا ہوئی ہے، شاداں جیسے بجھ کر رہ گئی ہے۔ اب اس کا سارا دھیان اپنے تین بچوں پر ہے اور وہ گھر سے بہت کم باہر نکلتی ہے مگر وہ ہر ماہ نہایت ہی پابندی کے ساتھ حیدر علی سے ملاقات کرنے جیل ضرور جاتی ہے۔''

''اوہ......'' میں نے پرخیال انداز میں کہا پھر کانسٹیبل سے پوچھا۔ ''اشفاق! تمہیں تو یہ بھی معلوم ہوگا کہ شاداں اور اس کے بچوں کی گزر بسر کیسے ہو رہی ہے۔ حیدر علی کے جیل چلے جانے کی وجہ سے پچھلے دو سال سے ان کی زمین پر کاشت بھی نہیں ہو سکی۔''

''ابھی تک تو جمع جوڑ ہی سے گزارہ چل رہا تھا......'' اس نے بتایا۔ ''لیکن سننے میں یہ آیا ہے کہ یہ سال ان لوگوں پر بڑا بھاری ہے۔ جمع پونجی اور گھر میں موجود اناج کا اسٹاک ختم ہو چکا ہے۔ شاداں کی مالی حالت ایسی نہیں ہے کہ کسی کو پیسے دے کر وہ اپنے کھیتوں میں ہل چلوائے اور وہاں کسی فصل کی کاشت کروائے۔ حیدر علی دو سال سے جیل میں ہے اور اس کی سزا کے ابھی تین سال باقی ہیں۔ گاؤں میں ان لوگوں کا ایسا کوئی ہمدرد بھی نہیں جو اس مشکل وقت میں ان کی مالی اور اخلاقی مدد کرے۔ شاداں کے پاس اب ایک ہی راستہ بچا ہے کہ وہ اپنی زمین کا کچھ حصہ یا پوری زمین ہی فروخت کر دے۔''

''ایسی ہی بات چودھری عبدالرحمن نے بھی مجھ سے کی تھی......'' میں نے پرسوچ انداز میں کہا۔ ''جب وہ پہلی بار حیدر علی کے کھیتوں میں آکر مجھ سے ملا تھا تو اس کا خیال تھا کہ ہمارے یہ دونوں مہمان حیدر علی کی زمین کے خریدار بن کر یہاں آئے ہیں اور میں دونوں پارٹیوں کے بیچ کوئی ڈیل کروا رہا ہوں۔ چودھری نے یہ دعویٰ بھی کیا تھا کہ اس زمین پر پہلا حق اس کا ہے۔ اگر حیدر علی نے وہ زمین فروخت کرنے کا فیصلہ کر ہی لیا ہے تو کسی باہر کے آدمی کو زمین خریدنے نہیں دے گا بلکہ وہ خود یہ زمین خرید لے گا لیکن میں ایک بات سمجھنے سے قاصر ہوں کہ حیدر علی تو جیل میں ہے، پھر شاداں اس چار ایکڑ اراضی کو کیسے فروخت کرے گی......؟''

''اگر شاداں نے زمین بیچنے کی ٹھان لی تو پھر اس کے راستے میں کوئی رکاوٹ کھڑی نہیں ہوگی۔'' اشفاق نے مضبوط لہجے میں کہا۔ ''حیدر علی جیل کے اندر ہو یا چک بیالیس میں، اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا ملک صاحب......''

''تمہاری اس بات کا مطلب کیا ہے؟'' میں نے الجھن بھرے لہجے میں کہا۔ ''ذرا وضاحت تو کرو۔''

''ملک صاحب! حیدر علی، شاداں سے بے پناہ محبت کرتا ہے۔'' اس نے جواب دیا۔ ''اپنی سب سے چھوٹی بیٹی کی پیدائش پر اس نے اسی محبت کے زیر اثر خوش ہو کر یہ چار ایکڑ اراضی شاداں کے نام لکھوا دی تھی۔ اب شاداں ہی اس زمین کی مالک ہے۔ وہ جب چاہے اس زمین کو فروخت کر سکتی ہے۔''

''اب آئی بات سمجھ میں......'' میں نے سرسراتی ہوئی آواز میں کہا اور پوچھا۔ ''شاداں کی چھوٹی بیٹی کی عمر کتنی ہے؟''

''نزہت چار سال کی ہوگئی ہے ملک صاحب!'' اشفاق نے بتایا۔ ''اس سے بڑی بیٹی کا نام ثمینہ ہے جو اس وقت پانچ سال کی ہے۔ ان دونوں بہنوں سے بڑا ان کا سات سال کا ایک بھائی ہے جس کا نام جاوید ہے۔ حیدر علی اور شاداں کی شادی کو کم وبیش آٹھ سال ہو گئے ہیں۔''

''حامد نے بالکل ٹھیک کہا تھا کہ تم شاداں کے بارے میں بہت کچھ جانتے ہو۔'' میں نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔ ''اب یہ بھی بتا دو کہ ان نامساعد حالات میں اگر کوئی شاداں اور اس کے بچوں پر ترس کھا کر ان لوگوں کی مدد کرنے کے بارے میں سوچے تو اس پر شاداں انکار کیوں کر دیتی ہے؟''

''آپ کیا کہنا چاہ رہے ہیں ملک صاحب؟'' اشفاق نے حیرت بھرے لہجے میں پوچھا۔ ''ایسی نیک کوشش کس نے کی ہے......!''

''چودھری عبدالرحمن دو تین بار ایسی کوشش کر چکا ہے۔'' میں نے چودھری کے بیان کی روشنی میں کہا۔ ''لیکن شاداں نے ہر مرتبہ چودھری کی اس پرخلوص پیشکش کو ٹھکرا دیا ہے۔''

''اوہ ...... تو یہ بات ہے!'' وہ ایک گہری سانس خارج کرتے ہوئے بولا۔

ہاں، یہی بات ہے۔'' میں نے ایک ایک لفظ پر دباؤ ڈالتے ہوئے کہا۔ ''اب تم شاداں کے انکار کی وجہ بتاؤ۔''

''وہ کسی بھی قیمت پر چودھری صاحب یا ان کے کسی بھی آدمی کی مدد لینے کو تیار نہیں ہوگی۔'' اشفاق وضاحت کرتے ہوئے بولا۔ ''کیونکہ وہ سمجھتی ہے، حیدر علی انہی لوگوں کی وجہ سے جیل گیا ہے......!''

''یہ تم ایک بالکل نئی اور تجسس آمیز بات کر رہے

ہو۔'' میں نے گمبھیر انداز میں کہا۔ ''میں جاننا چاہتا ہوں کہ شاداں ایسا کیوں سوچتی اور سمجھتی ہے؟ چودھری عبدالرحمٰن کا حیدر علی کے جیل جانے سے کیا تعلق ہے؟ میرے علم کے مطابق وہ تو ایک قتل کے جرم میں جیل گیا ہے اور عدالت میں اس نے اقبالِ جرم بھی کر لیا تھا۔''

''اس امر میں کسی شک کی گنجائش نہیں کہ ماکھا کو حیدر علی ہی نے موت کے گھاٹ اتارا تھا۔'' اشفاق نے بتایا۔ ''اس بات میں بھی کسی شبہے کو تلاش نہیں کیا جاسکتا کہ ماکھا، چودھری صاحب کا ملازم خاص تھا اور ساجد علی نے اس واردات کے ذیل میں چشم دید گواہ کا کردار ادا کیا تھا اور جہاں تک چودھری صاحب کا معاملہ ہے تو......'' وہ سانس ہموار کرنے کے لیے متوقف ہوا پھر اپنی بات مکمل کرتے ہوئے بولا۔

''اس نازک موقع پر چودھری صاحب نے حیدر علی کی حمایت میں کچھ نہیں کیا بلکہ اسے سزا دلوانے کے لیے وہ خاصے سرگرم نظر آئے تھے۔ بس، یہی وجہ ہے کہ شاداں اپنے دل و دماغ میں چودھری صاحب کے لیے بہت غم و غصہ رکھتی ہے۔''

''تمہاری وضاحت نے میرے ننانوے فی صد سوالات کے جوابات دے دیے ہیں اشفاق!'' میں نے گہری سنجیدگی سے کہا۔

''ایک فی صد باقی کیا بچا ہے؟'' اس نے پوچھا۔

''آپ بتائیں۔ ہوسکتا ہے، میرے جواب سے آپ کا ذہن صاف ہوجائے۔''

''میری معلومات کے مطابق، حیدر علی ایک امن پسند اور شریف النفس انسان ہے۔'' میں نے کہا۔ ''پھر حبیب عرف ماکھا سے اس کا کس بات پر تنازع تھا؟ میں نے سنا ہے، ان دونوں کے بیچ دو تین بار زبانی کلامی بھی جھڑپیں ہوئی تھیں۔ میں سمجھنا چاہتا ہوں کہ حیدر علی نے ماکھا کے سر پر بیلچہ کیوں دے مارا تھا؟ آخر ان کی دشمنی کا سبب کیا تھا؟''

''شاداں ......!'' اشفاق نے سنسنی خیز انداز میں جواب دیا۔ ''ان کی باہمی چپقلش کی وجہ شاداں تھی۔''

میں پوچھے بنا نہ رہ سکا۔ ''وہ کس طرح؟''

''سننے میں یہی آیا ہے کہ ماکھا، شاداں پر بری نظر رکھتا تھا۔'' کانسٹیبل اشفاق نے میرے سوال کے جواب میں بتایا۔ ''اسی وجہ سے ان دونوں میں منہ ماری ہوتی رہتی تھی۔ آخر کار، ایک روز حیدر علی، ماکھا کو یہ سمجھانے کی غرض سے ڈیرے پر پہنچ گیا کہ وہ اس کی بیوی کا پیچھا چھوڑ دے۔ اس وقت ماکھا ڈیرے پر اکیلا ہی تھا۔ دونوں میں تلخ کلامی کچھ زیادہ ہی بڑھ گئی۔ اس موقع پر ماکھا کے منہ سے شاداں کے لیے چند ایسے نازیبا الفاظ نکل گئے کہ حیدر علی ان الفاظ کی تپش اور زہرناکی کو برداشت نہ کرسکا۔ وہ اپنی بیوی سے بے پناہ محبت کرتا ہے لہٰذا ماکھا کی غلیظ باتوں نے اسے آگ بگولا کر دیا۔ اسے اپنی سوچ پر اختیار نہ رہا۔ ایک دیوانگی کے عالم میں حیدر علی نے نزدیک پڑا ہوا بیلچہ اٹھا کر ماکھا کے سر پر دے مارا۔ یہ چوٹ ایسی کاری ثابت ہوئی کہ ماکھا کی کھوپڑی چٹخ گئی اور وہ تیورا کر زمین بوس ہوگیا۔ اگلے ہی لمحے ماکھا کے پھٹے ہوئے سر میں سے نکلنے والے خون نے ڈیرے کی زمین کو سرخ کرنا شروع کر دیا۔ اس صورتِ حال نے حیدر علی کو پریشان کر دیا۔ وہ ماکھا کی جان لینے کا ہرگز ارادہ نہیں رکھتا تھا۔ بس، ماکھا کی مغلظات سن کر وہ طیش میں آگیا تھا۔ اسے اپنے جذبات پر قابو نہیں رہا تھا۔ بیلچہ اٹھا کر ماکھا کے سر پر مارنے کا عمل بے اختیاری کا نتیجہ تھا۔ بہرحال، جب وہ بیلچے کو ماکھا کی لاش کے پاس پھینک کر ڈیرے سے باہر نکلنے لگا تو اسی وقت ساجد علی ڈیرے میں داخل ہوا۔ جب ساجد نے ماکھا کو اپنے ہی خون میں لت پت پڑا دیکھا تو ساری بات اس کی سمجھ میں آگئی۔ وہ قتل کی اس واردات میں چشم دید گواہ کی حیثیت اختیار کر گیا۔ اگرچہ ساجد نے اپنی آنکھوں سے حیدر علی کو ماکھا کے سر پر بیلچہ مارتے نہیں دیکھا تھا لیکن حیدر علی کے اقبالِ جرم نے ساجد کی گواہی کی اہمیت کو بہت زیادہ بڑھا دیا تھا۔ یہ ہے تمام کہانی ملک صاحب......!''

''خاصی افسوسناک اور جذباتی کہانی ہے!'' میں نے ایک بوجھل سانس خارج کرتے ہوئے کہا۔ ''غصے کو اسی لیے حرام قرار دیا گیا ہے کہ یہ انسان کو جوش دلاتا ہے اور جوش میں ہوش قائم نہیں رہتا۔ اگر انسان کو اپنے ہوش و حواس پر اختیار نہ رہے تو پھر ایسی ہی رنجیدہ اور دل گداز کہانیاں جنم لیتی ہیں خیر!'' میں نے لمحاتی توقف کر کے گرد و پیش کا جائزہ لیا پھر اضافہ کرتے ہوئے کہا۔

''عدالت نے حیدر علی کے معاملات میں خاصی نرمی برتی ہے اس لیے اسے صرف پانچ سال کی سزائے محض سنائی گئی تھی جس میں سے دو سال کا عرصہ گزر چکا ہے۔ مجھے امید ہے، اس کی شرافت، برتاؤ اور کردار کو دیکھتے ہوئے اچھے ریکارڈ کی بنا پر اس کی باقی ماندہ سزا میں بھی کمی کر دی جائے گی۔ اغلب امکان اس بات کا ہے کہ وہ ایک سال یا زیادہ سے زیادہ دو سال بعد باہر آجائے گا۔''

"یہ تو بہت اچھی بات ہے ملک صاحب!" پچھلی سیٹ پر بیٹھے ہوئے اے ایس آئی نے کہا۔ "حیدر علی کی رہائی کے بعد اس چار ایکڑ زمین میں کاشت کاری کا عمل بھی شروع ہو جائے گا۔"

"یہ عمل شروع ہو چکا ہے حامد......" میں نے انکشاف انگیز انداز میں کہا۔ "حیدر علی کی زمین میں ہم نے ٹریکٹر چلا دیا ہے۔ اب اس زمین کو نم کرنے اور دانہ ڈالنے کا کام باقی ہے۔ اس کے بعد قدرت اپنے حصے کا کام خود کر لے گی۔ انشاءاللہ! موسم سرما کی آمد سے پہلے اس زمین پر تیار فصل کھڑی ہوگی۔"

اے ایس آئی نے الجھن زدہ انداز میں پوچھا۔ "مگر اس زمین کی ترائی اور بیجائی کون کرے گا؟"

"چودھری آف چک بیالیس......" میں نے ڈرامائی انداز اختیار کرتے ہوئے بتایا۔ "عبدالرحمٰن صاحب!"

"اوہ......!" اے ایس آئی ایک گہری سانس لے کر رہ گیا۔

میں نے نہایت ہی مختصر الفاظ میں انہیں چودھری سے ہونے والی اپنی گفتگو سے آگاہ کیا۔ میرے خاموش ہونے پر کانسٹیبل اشفاق نے پوچھا۔

"چودھری صاحب کے اس عمل پر شاداں بھڑک نہیں اٹھے گی۔ وہ چودھری صاحب کی مدد لینے کے لیے کیسے راضی ہوگی؟"

"یہ سارا کام شاداں کے علم میں لائے بغیر کیا جائے گا۔" میں نے کہا۔ "چودھری......نے مجھے یقین دلایا ہے کہ وہ چپ چاپ اس چار ایکڑ اراضی میں پانی پہنچا دے گا۔ اس کے بعد مناسب وقت آنے پر وہ اس زمین میں مونجی کی پنیری بھی لگوا دے گا۔ پہلی بات تو یہ کہ اس نیک کام کی شاداں کو کانوں کان خبر نہیں ہوگی اور اگر بالفرض اسے اپنی زمین میں ہونے والی اس کارروائی کا پتا چل بھی گیا تو وہ کسی بھی طور یہ جان نہیں پائے گی کہ اس کاشت کاری کے پیچھے چودھری عبدالرحمٰن کا خفیہ ہاتھ ہے۔ بہرحال......" میں سانس ہموار کرنے کے لیے تھما پھر اپنی بات مکمل کرتے ہوئے کہا۔

"ہر دو صورت میں شاداں اور اس کے بچوں ہی کا فائدہ ہے۔ یہ چٹکاری چاول کی فصل اس مختصر سے خاندان کے لیے ایک سال کے رزق کا بندوبست کر دے گی۔ اپنی ضرورت کے چاول گھر میں رکھ کر وہ باقی چاولوں کو فروخت کر کے اس سے حاصل ہونے والے پیسوں سے گندم، گھی، گڑ، پھل، سبزی اور دیگر ضروریاتِ زندگی بہ آسانی خرید سکتی ہے۔"

ادھر میری بات ختم ہوئی، ادھر اشفاق نے اطلاعاً عرض کیا۔ "ملک صاحب! ہم اپنی منزل کے قریب پہنچ گئے ہیں۔ وہ سامنے تاریکی میں، درختوں کے جو آثار نظر آ رہے ہیں ان کے عقب میں چودھری صاحب کا ڈیرا ہے۔"

میرے تھانے سے چک بیالیس محض ڈیڑھ میل کی دوری پر جنوب مشرق میں واقع تھا۔ یہ فاصلہ ہماری بات چیت میں اس طرح طے ہو گیا تھا کہ ہمیں وقت گزرنے اور سفر کے کٹنے کا مطلق احساس نہیں ہوا تھا۔

"اشفاق! تانگے کی رفتار کو کم کر دو۔" میں نے تحکمانہ انداز میں کہا۔ "اتنی کم کہ اس کچے راستے پر گھوڑے کے قدموں کی آواز نہ ہونے کے برابر ابھرنی چاہیے۔ کم از کم یہ آواز ڈیرے تک نہ پہنچے۔ میں نہیں چاہتا کہ ڈیرے پر موجود چودھری کے ملازمین کو ہماری آمد کی خبر ہو۔"

"جو حکم ملک صاحب......" اشفاق نے لگاموں کے ساتھ مخصوص قسم کی کھینچا تانی کرتے ہوئے بڑے اعتماد سے کہا۔ "آپ فکر نہ کریں۔ ڈیرا تو تھوڑے فاصلے پر ہے، گھوڑے کے قدموں کی آواز آپ کو بھی سنائی نہیں دے گی......!"

اگلے چند سیکنڈ میں اشفاق نے اپنے دعوے کو سچ کر دکھایا۔ ہمارے گرد و پیش میں ایسا سکوت طاری ہو گیا جس میں تانگے کے پہیوں کی موہوم سی "چوں چاں" کے علاوہ اور کچھ بھی باقی نہیں رہا تھا۔ اشفاق کی اس کاری گری پر میں نے حیرت بھرے لہجے میں اس سے پوچھا۔

"اشفاق! تم پولیس میں بھرتی ہونے سے پہلے کیا کرتے تھے؟"

"کچھ نہیں جناب...... بس زمین داری میں اپنے باپ کا ہاتھ بٹاتا تھا۔" اس نے جواب دیا پھر پوچھا۔ "ملک صاحب! خیریت تو ہے نا۔ کیا مجھ سے کوئی غلطی ہو گئی......؟"

"نہیں...... تم سے کوئی خطا نہیں ہوئی اور سب خیریت بھی ہے۔" میں نے تسلی بھرے لہجے میں کہا۔ "تم نے جس مہارت سے گھوڑے کی چال کو کنٹرول کیا ہے، اس سے لگتا ہے کہ تم ایک تجربہ کار کوچوان ہو۔"

"تجربہ کار کوچوان تو نہیں لیکن بس تانگا چلا لیتا ہوں۔" وہ انکسار کا مظاہرہ کرتے ہوئے بولا۔ "باقی جہاں تک گھوڑے کو کنٹرول کرنے کا معاملہ ہے تو مجھے نوجوانی ہی سے گھڑسواری کا شوق رہا ہے۔"

"تمہاری ایک نئی خوبی میرے علم میں آئی ہے۔"

میں نے توصیفی لہجے میں کہا۔ ''درختوں کے جھنڈ کے نزدیک پہنچ کر تانگا روک دینا۔''

''جو حکم ملک صاحب!'' وہ فرماں برداری سے بولا۔

جلد ہی ہمارا تانگا کسی ہوشیار بلی کے مانند دبے پاؤں چلتے ہوئے مذکورہ درختوں تک پہنچ گیا۔ ان درختوں کے عقب میں چند گز کے فاصلے پر وہ ڈیرا تھا جہاں ہم ریڈ کرنے آئے تھے۔ میرے حکم پر اشفاق نے گھوڑے کی لگاموں کو ایک درخت کے تنے سے باندھ دیا تو اے ایس آئی نے پوچھا۔

''ملک صاحب! آپ کے ذہن میں کیا منصوبہ ہے؟''

وہ میرے لائحہ عمل کے بارے میں جاننا چاہتا تھا۔

میں نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔ ''حامد! تم ڈیرے کے پہلو والی دیوار کے ساتھ جم کر کھڑے ہو جاؤ گے اور میں گیٹ پر دستک دے کر ڈیرے کے اندر داخل ہونے کی کوشش کروں گا۔ اگر وہاں موجود لوگوں نے مجھے آسانی سے اندر جانے دیا تو تم اپنی جگہ پر بالکل تیار رہنا۔ جب تمہاری ضرورت ہوگی تو میں آواز دے کر تمہیں اپنے پاس بلالوں گا۔ اور اگر میری دستک پر ان لوگوں نے ڈیرے کا گیٹ نہیں کھولا تو میں سیٹی بجا کر تمہیں متوجہ کروں گا۔ تم دیوار پھلانگ کر ڈیرے کے اندر جانا اور میرے لیے گیٹ کھول دینا۔''

''آپ کی بات تو میری سمجھ میں آگئی ملک صاحب!'' اے ایس آئی نے قدرے الجھے ہوئے لہجے میں کہا۔ ''لیکن اشفاق کے حوالے سے آپ نے کچھ نہیں بتایا۔ اس مشن میں یہ کیا کردار ادا کرے گا؟''

''کیا اس کے لیے کوچوان کا کردار کافی نہیں ہے؟''

میں نے حامد کے چہرے پر نگاہ جماتے ہوئے سوال کیا۔

''جناب! تانگا تو کوئی بھی چلا سکتا ہے۔'' حامد مغل نے کہا۔ ''اگر ہم اسے ساتھ لے کر آئے ہیں تو اس سے کوئی اہم کام بھی لینا چاہیے۔''

''تم ٹھیک کہتے ہو حامد......'' میں نے گہری سنجیدگی سے کہا۔ ''وہ کوچوان والی بات تو میں نے ازراہ مذاق کہی تھی تاکہ ہمارے اعصاب پر کوئی تناؤ باقی نہ رہے۔ ہنسی مذاق ذہنی دباؤ کو کم کرتا ہے۔ ہم جس نوعیت کے حالات سے گزرنے والے ہیں اس میں ذہن کا پُرسکون رہنا بہت ضروری ہے۔''

ان دونوں نے میرے خیالات سے اتفاق کرتے ہوئے اثبات میں گردنیں ہلائیں پھر اشفاق نے سوالیہ نظر سے مجھے دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں موجود سوال کو میں نے بہ سہولت پڑھ لیا اور اس کے اطمینان کی غرض سے کہا۔

''اشفاق! تم چک بیالیس کے رہنے والے ہو اور آئندہ بھی تمہیں اور تمہارے خاندان کو ادھر ہی رہنا ہے لہٰذا میری بھی کوشش ہوگی کہ تمہیں پردے میں رکھ کر یہ مہم سر کرلی جائے۔''

''ملک صاحب! اگر ایسا ہی تھا تو پھر آپ مجھے ساتھ کیوں لائے؟'' وہ شکایتی لہجے میں بولا۔ ''میری جگہ کسی اور کو لے آتے۔ ویسے میں آپ کو یہ بتادوں کہ فرض کی ادائیگی کے سامنے میں کسی چیز کی پروا نہیں کرتا۔ مجھے چودھری صاحب یا ان کے کسی آدمی کا کوئی ڈر خوف نہیں ہے۔''

''اشفاق! تمہاری زبان سے فرض شناسی کے کلمات سن کر مجھے بڑی خوشی ہوئی ہے۔'' میں نے ستائشی لہجے میں کہا۔ ''ویسے تمہاری اطلاع کے لیے بتادوں کہ میں تمہیں صرف تانگا چلانے کے لیے اپنے ساتھ نہیں لایا۔ تم ڈیرے کے عقبی علاقے میں ریڈ الرٹ رہو گے۔ عین ممکن ہے کہ گیٹ پر ہونے والی دستک کے نتیجے میں اندر موجود افراد میں سے کوئی اس جانب سے فرار ہونے کی کوشش کرے تو تم اس مفرور کو قابو کرلینا۔ میری بات سمجھ میں آرہی ہے نا......؟''

''جی...... میں سمجھ گیا ملک صاحب!'' وہ اثبات میں گردن ہلاتے ہوئے بولا۔ ''میں ڈیرے کے پچھواڑے ایک دم ہوشیار باش رہوں گا اور اگر آپ لوگوں کو ڈیرے کے اندر میری ضرورت محسوس ہو تو مجھے آواز دے کر بلا لیجیے گا۔''

''جو بھی کرنا ہے، سچویشن کو دیکھتے ہوئے کرلیں گے۔'' میں نے سرسری انداز میں کہا پھر تانگے سے ڈیرے کی سمت قدم بڑھاتے ہوئے ان الفاظ میں اضافہ کیا۔ ''آؤ، کام سے لگ جاتے ہیں......''

مذکورہ ڈیرا دو بڑے سائز کے کمروں اور ایک کشادہ صحن پر مشتمل تھا۔ ڈیرے کے کل رقبے کو آپ تیس سے پینتیس مرلے سمجھ لیں۔ کراچی والے اس قطعۂ زمین کو لگ بھگ ایک ہزار مربع گز خیال کرسکتے ہیں۔ ڈیرے کی باؤنڈری وال زیادہ اونچی نہیں تھی۔ میرے محتاط اندازے کے مطابق، اس کی اونچائی چار فٹ کے قریب ہوگی۔ اس کا واضح مطلب یہی تھا کہ دن کی روشنی میں ڈیرے کے صحن سے باہر اور باہر سے صحن میں بہ آسانی دیکھا جاسکتا تھا۔

اس وقت اگرچہ رات کی تاریکی نے پورے ماحول کو اپنے دامن میں پناہ دے رکھی تھی لیکن احتیاط جن چیزوں کی متقاضی تھی، انہیں کسی بھی قیمت پر نظر انداز نہیں کیا جاسکتا تھا

لٰہذا میں اور حامد مغل کمر کے بل جھک کر اپنی اپنی طے شدہ پوزیشن پر پہنچ گئے۔ ہم سے پہلے اشفاق نے ڈیرے کی عقبی جانب بڑھنا شروع کر دیا تھا۔

میں اب ڈیرے کے گیٹ کے سامنے کھڑا تھا۔ اس گیٹ کی اونچائی میرے قد سے نکلتی ہوئی تھی، گویا اندر موجود لوگوں میں سے کسی کی نگاہ مجھ پر نہیں پڑ سکتی تھی۔ دستک دینے سے قبل میں نے دو اہم کام کیے۔ نمبر ایک، میں نے گیٹ پر ہلکا سا دباؤ ڈال کر چیک کیا کہ وہ محض بھڑا ہوا ہے یا اندر سے اس کی کنڈی بھی لگائی گئی ہے۔ کنڈی نہ لگی ہونے کی صورت میں دستک کی ضرورت نہیں تھی لیکن پتا چلا کہ اس گیٹ کو اندر سے باقاعدہ بند کیا گیا تھا۔

دوسرے اہم کام کا تعلق تاکا جھانکی سے تھا۔ میں نے گیٹ کے ایک کونے سے، چار فٹی دیوار کے اوپر سے ڈیرے کے صحن میں جھانکا۔ ڈیرے کی ایک دیوار کے ساتھ، ایک قطار میں آٹھ دس مویشی بندھے ہوئے تھے اور صحن کے وسط میں کھلے آسمان کے نیچے دو چارپائیاں بچھی ہوئی تھیں جن پر مجھے دو افراد سوئے ہوئے نظر آئے۔ مجھے یہ سمجھنے میں قطعاً کوئی دقت محسوس نہ ہوئی کہ اس وقت ڈیرے پر صرف دو افراد ہی موجود تھے۔ اگر ان دو کے علاوہ بھی کوئی ہوتا تو اس کی چارپائی بھی انہی کے ساتھ لگی ہوتی کیونکہ اس حبس زدہ رات میں کسی انسان کا کمرے کے اندر گھس کر سونا ناممکنات میں سے تھا۔

ایک فیصلے پر پہنچنے کے بعد میں نے دستک دینے کے لیے جیسے ہی اپنا ہاتھ گیٹ کی جانب بڑھایا، یکا یک بارش شروع ہو گئی اور وہ بھی خاصی تیز۔ آج کا دن جس قدر گرم گزرا تھا اور اس کے بعد رات میں جس طرح ہوا بند تھی، اس سے یہی محسوس ہو رہا تھا کہ کسی بھی وقت بارش ہو سکتی ہے۔ دم گھٹ اور تپتی ہوئی فضا میں سے گزر کر آنے والی بارش اپنے اندر گرمائش لیے ہوئے تھی۔ اس صورت حال نے ایک لمحے کے لیے مجھے بوکھلا کر رکھ دیا تھا لیکن اگلے ہی لمحے میں نے خود پر قابو پا لیا اور دوبارہ دیوار کے اوپر سے ڈیرے کے صحن میں جھانکا۔

اس بار کا نظارہ پہلے سے کافی مختلف تھا۔ بارش کی تیزی نے چارپائیوں پر سوئے ہوئے ان دونوں افراد کو جاگنے پر مجبور کر دیا تھا اور وہ اپنی اپنی چارپائی بغل میں دبا کر تیز قدموں سے کمرے کی جانب بڑھ رہے تھے۔ میرے دیکھتے ہی دیکھتے وہ دونوں اپنی چارپائیوں سمیت ایک کمرے کے اندر گھس گئے۔

اسی وقت اے ایس آئی حامد مغل میرے پاس آ گیا اور اضطراری لہجے میں مستفسر ہوا۔ ''ملک صاحب! سب خیریت تو ہے نا۔ میں آپ کی دستک کا انتظار کر رہا تھا کہ آناً فاناً میں بارش شروع ہو گئی......''

''قدرت کی طرف سے جو بھی ہوتا ہے اس میں انسان کی بھلائی اور بہتری چھپی ہوتی ہے۔'' میں نے بارش کی بوندوں کو اپنے چہرے سے صاف کرتے ہوئے گمبھیر انداز میں کہا۔ ''تم اشفاق کی طرف جاؤ۔ پھر تم دونوں اسی جانب سے دیوار پھلانگ کر ان کمروں کے پہلو میں پہنچ جاؤ۔ میں سائڈ سے اندر کود رہا ہوں۔ اب دستک دے کر گیٹ کھلوانے کی ضرورت نہیں رہی۔''

حامد مغل، ڈیرے کے صحن میں رونما ہونے والی حالیہ تبدیلی سے واقف نہیں تھا اس لیے الجھن زدہ لہجے میں بولا۔ ''کیا آپ نے کوئی دوسرا پلان بنا لیا ہے؟''

''یہ سب قدرت کی طرف سے ہے حامد!'' میں نے ٹھہرے ہوئے انداز میں کہا۔ ''اس ڈیرے پر صرف دو چوہے ہیں اور وہ دونوں اس وقت اپنے بل (ایک کمرے میں) جا چھپے ہیں۔ اس برستی تیز بارش نے انہیں چارپائیوں سمیت صحن سے بھاگنے پر مجبور کر دیا ہے۔''

''میں آپ کی بات سمجھ گیا ملک صاحب!'' وہ بڑی سرعت سے اثبات میں گردن ہلاتے ہوئے بولا۔ ''آپ جائیں اندر۔ میں بھی اشفاق کو لے کر آ رہا ہوں......''

اس کے بعد ہم تینوں اپنے اپنے حساب سے نہایت احتیاط کے ساتھ ڈیرے کی چار دیواری پھلانگ کر اندر پہنچ گئے۔ ہم نے اس بات کا خاص طور پر خیال رکھا تھا کہ اندر موجود ان دونوں میں سے کوئی ہمیں اندر داخل ہوتے ہوئے دیکھ نہ لے کیونکہ کمرے کے اندر پہنچنے کے بعد انہوں نے کمرے کے دروازے کو کھلا ہی چھوڑ دیا تھا۔

جلد ہی ہم تینوں اس کمرے کے سامنے پہنچ گئے جس کا دروازہ بند تھا۔ کھلے دروازے والا کمرا اس کمرے کے پہلو میں بنا ہوا تھا۔ میں نے اشفاق اور حامد مغل کو محفوظ پوزیشنز پر چوکنا کھڑے ہونے کی ہدایت کی پھر کھلے ہوئے دروازے کے نزدیک پہنچ کر بہ آوازِ بلند پکارا۔

''ساجد......یعقوب......!''

میں نے ان ناموں کی آواز اس لیے لگائی تھی کہ جب یہ لوگ صحن سے کمرے کی طرف آ رہے تھے تو میں نے دیکھ لیا تھا، لکا کھنڈی ان میں شامل نہیں تھا۔ اگر وہ وہاں موجود ہوتا تو اس کی ٹنڈ میری نگاہ سے چھپی نہیں رہ سکتی تھی۔ اب اغلب

امکان اس بات کا تھا کہ وہ ساجد اور یعقوب ہی ہوں گے یا ان میں سے کوئی ایک ساجد یا یعقوب لازمی ہوگا۔ میری معلومات کے مطابق انہی دو افراد نے اس جستی صندوق کو حیدر علی کے کھیتوں سے اٹھا کر اس ڈیرے تک پہنچایا تھا۔

میری پکار کا خاطر خواہ اثر ہوا۔ کمرے کے اندر ایک نے دوسرے سے پوچھا۔ ''ساجد! یہ ہم دونوں کو کون آواز دے رہا ہے؟''

''پتا نہیں یعقوب! آواز تو بہت نزدیک سے آئی ہے۔'' ساجد نے خوف زدہ لہجے میں کہا۔ ''لگتا ہے، ہمیں پکارنے والا ڈیرے کے اندر موجود ہے۔''

میرا اندازہ درست نکلا تھا۔ وہ ساجد اور یعقوب ہی تھے۔ یعقوب نے الجھن بھرے انداز میں کہا۔ ''کوئی اندر کیسے آسکتا ہے، میں نے تو خود گیٹ کو کنڈی لگائی تھی۔''

''یہ بارش بھی تو اچانک ہی شروع ہوگئی ہے......'' ساجد نے سہمے ہوئے لہجے میں کہا۔ ''یہ کہیں کوئی ہوائی مخلوق تو نہیں جو ہمیں پکار رہی ہے......''

''چلو، باہر نکل کر دیکھتے ہیں۔'' یعقوب نے تجویز دی۔

''نہ بابا...... مجھے تو ڈر لگ رہا ہے......'' ساجد کی خوف میں ڈوبی ہوئی آواز ابھری۔ ''تمہیں اگر گردن تڑوانے کا شوق ہے تو تم جاسکتے ہو۔''

میرے پاس ان کی مزید مکالمے بازی سننے کا وقت نہیں تھا کیونکہ اس موسلا دھار بارش میں زیادہ دیر تک بھیگنا ہمارے مشن کو متاثر کرسکتا تھا لہٰذا میں نے حامد اور اشفاق کو ایکشن میں آنے کا اشارہ کیا اور کھلے ہوئے دروازے کی جانب قدم بڑھاتے ہوئے خونخوار لہجے میں کہا۔

''گدھے کے تخمو...... تمہاری گردنیں توڑنے کے لیے تو میں کمرے کے اندر بھی آسکتا ہوں......''

پھر ہم تینوں بھرّا مار کر ایک ساتھ کمرے کے اندر داخل ہوگئے۔ میں نے احتیاطاً اپنا سروس ریوالور ہاتھ میں کرلیا تھا۔ میں اس وقت عوامی ڈریس میں تھا مگر کانسٹیبل اور اے ایس آئی مکمل یونیفارم میں تھے۔ اپنے سامنے تین پولیس والوں کو دیکھ کر ان کے حواس مختل ہوگئے۔ انہوں نے مجھے بھی پہچان لیا تھا۔ ساجد علی نے بے حد ڈری سہمی آواز میں پوچھا۔

''ملک صاحب! آپ...... آدھی رات کو ڈیرے پر ......اور...... وہ بھی برستی...... بارش میں......؟''

''بس، کیا کروں...... کام ہی ایسا ضروری تھا کہ مجھے آنا پڑا۔'' میں نے باری باری ساجد اور یعقوب کے چہرے کے تاثرات کا جائزہ لیتے ہوئے کہا۔

''آپ نے حکم کیا ہوتا......'' یعقوب نے قدرے سنبھل کر کہا۔ ''ہم خود آپ کی خدمت میں حاضر ہوجاتے۔''

''تم اگر میرے بلاوے پر تھانے آتے تو یقیناً خالی ہاتھ آتے......'' میں نے یعقوب کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے طنزیہ لہجے میں کہا۔ ''اور یہ مجھے کسی بھی طور گوارا نہیں ہے......!''

''تو...... آپ ہمارے ہاتھ میں...... کیا دیکھنا چاہتے ہیں...... تھانے دار صاحب......؟'' ساجد نے پلکیں جھپکاتے ہوئے الجھن زدہ انداز میں پوچھا۔

''جستی صندوق!'' میں نے ان کی سماعت میں ایٹمی دھماکا کیا۔

''کک...... کون...... سا صندوق......؟'' ساجد کے چہرے کا رنگ اڑ گیا۔

یعقوب نے مریل سی آواز میں کہا۔ ''پتا نہیں آپ کس صندوق کی بات کررہے ہیں......؟''

''میں اس جستی صندوق کا ذکر کررہا ہوں جو آج صبح سویرے تم دونوں اور اس نکلے کھنڈی نے حیدر علی کی زمین کے ایک کونے کو کھود کر نکالا تھا......'' میں نے سنسناتی ہوئی آواز میں کہا۔ ''پھر تم دونوں نے اس صندوق کو اٹھا کر اس ڈیرے پر پہنچایا تھا۔ کچھ یاد آیا تم دونوں کو......؟''

''ہم نے تو ایسا کوئی صندوق دیکھا ہی نہیں......'' ساجد نے ڈھٹائی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا۔

یعقوب اس کی دروغ گوئی کو دوام بخشتے ہوئے بولا۔ ''تھانے دار صاحب! لگتا ہے آپ کو ہمارے بارے میں کوئی غلط فہمی ہوگئی ہے......!''

''ملک صاحب! یہ لاتوں کے بھوت ہیں، باتوں سے نہیں مانیں گے۔'' اے ایس آئی حامد مغل نے زہریلے لہجے میں کہا۔ ''انہیں اپنے ساتھ تھانے لے چلتے ہیں۔ ٹرائل روم میں پہنچ کر ان کی یادداشت فوراً سے پیشتر واپس آجائے گی۔ پھر ان کی زبانوں کے سارے قفل کھٹا کھٹ کھل جائیں گے۔''

''انہیں ساتھ لے کر تو جانا ہی ہے مگر وہ جستی صندوق برآمد کرنے کے بعد......'' میں نے حتمی لہجے میں کہا۔ ''ان دونوں کی باقی ماندہ زندگی جیل کی سنگلاخ دیواروں کے پیچھے گزرے گی......''

''اس صندوق کو بازیاب کرنے کے لیے ان کی زبان کھلوانا ازحد ضروری ہے۔'' اے ایس آئی نے خطرناک نظر سے ساجد اور یعقوب کو گھورا، پھر مجھ سے

مخاطب ہوتے ہوئے مستفسر ہوا۔ ''ملک صاحب! اگر آپ کی اجازت ہو تو چند منٹ کے لیے اسی کمرے کو ٹرائل روم کا درجہ دے دیتے ہیں۔ باہر دھواں دھار بارش ہو رہی ہے۔ ان دونوں کی درد اور اذیت میں ڈوبی ہوئی چیخیں بارش کے شور میں دب کر رہ جائیں گی۔ ادھر چک بیالیس میں کسی بندے کو اور خصوصاً چودھری عبدالرحمٰن کو کچھ پتا نہیں چلے گا کہ اس کے دو نمک خواروں پر کیا گزر رہی ہے......!''

''آئیڈیا برا نہیں ہے......'' میں نے سفاکی سے لبریز لہجے میں کہا۔ ''لیکن کارروائی شروع کرنے سے پہلے انہیں سرکاری زیورات پہنا دو تاکہ دور سے دیکھنے والوں کو بھی اندازہ ہو جائے کہ اب یہ دونوں ہمارے ہیں!''

میرے ان سنگین احکامات نے ساجد اور یعقوب کے چہرے پر سرسوں کھلا دی۔ وہ بے حد خوفزدہ نظر آنے لگے تھے۔ میں نے انہیں نظرانداز کرتے ہوئے اشفاق سے کہا۔

''تم تانگے کو ڈیرے کے گیٹ پر لے آؤ۔ یہ دونوں حامد کی تفتیش کے سامنے زیادہ دیر تک ٹک نہیں سکیں گے۔ مجھے لگتا ہے، دس منٹ کے اندر ہی ان کی ہمت جواب دے جائے گی۔''

''ٹھیک ہے ملک صاحب! میں تانگا لے کر آ رہا ہوں۔'' اس نے فرماں برداری سے کہا اور گردن جھکا کر کمرے سے باہر نکل گیا۔

حامد مغل نے اس دوران میں نہایت ہی پھرتی کا مظاہرہ کر کے ساجد اور یعقوب کو ہتھکڑیاں لگا دیں۔ میں نے ان دونوں گرفتار شدگان کی طرف دیکھتے ہوئے وارننگ دینے والے انداز میں کہا۔

''آخری بار تم لوگوں سے پوچھ رہا ہوں۔ بتاؤ، وہ جستی صندوق کہاں ہے جو آج علی الصباح حیدر علی کی زمین کھود کر کھنڈی کی مدد سے تم نے نکالا تھا اور پھر روشنی ہونے سے پہلے تم اس صندوق کو اس ڈیرے پر لے آئے تھے......؟''

وہ ایک بار پھر لنگڑے بہانے بنا کر خود کو بچانے کی کوشش میں مصروف ہو گئے۔ ان کی ڈھٹائی اور ہٹ دھرمی کے شافی علاج کی غرض سے میں نے اے ایس آئی کو مخاطب کرتے ہوئے فیصلہ کن انداز میں کہا۔

''حامد! گھی سیدھی انگلی سے نکلتا دکھائی نہیں دیتا۔ بارش کا بھی کچھ بھروسا نہیں۔ یہ جس طرح اچانک شروع ہوئی ہے، ویسے ہی یکایک بند بھی ہو سکتی ہے۔ میں نہیں چاہتا کہ ان دونوں کی دردناک آہ و بکا چک بیالیس کے دسنیکوں تک پہنچے اور چودھری صاحب اپنے بندوں کی مدد کے لیے یہاں دوڑے آئیں۔ اس لیے تم چھاجوں برستی بارش کے شور کا فائدہ اٹھاتے ہوئے کام سے لگ جاؤ۔''

میری جانب سے گرین سگنل ملنے کے بعد حامد مغل نے تفتیشی ہتھکنڈوں کو ٹاپ گیئر میں ڈال دیا۔ یہ سچ ہے کہ اگر پولیس اپنی پر آ جائے تو وہ پتھروں کو بھی بولنے پر مجبور کر دیتی ہے۔ چند منٹ کی محنت نے ساجد اور یعقوب کے ناک منہ سے خون چھڑا دیا۔ حامد مغل کے سرکاری بوٹ کی طوفانی ٹھوکروں نے ان کے چہروں کو لہولہان کر دیا تھا۔ ان کی شکلیں بھیانک ہو گئی تھیں اور وہ دونوں کمرے کے کچے فرش پر، ذبح کیے ہوئے جانوروں کے مانند پڑے تڑپ رہے تھے۔ اس کسمپرسی کی حالت نے ان کا سب کچھ کھول کر رکھ دیا تھا۔ ایک بے چاری زبان بھلا کہاں تک تاب لاتی......!

☆☆☆

ہم لگ بھگ ایک بجے رات برستی بارش میں واپس تھانے پہنچ گئے تھے۔ ساجد، یعقوب اور وہ جستی صندوق بھی ہم اپنے ساتھ لے کر آئے تھے۔ جب ساجد اور یعقوب کی زبان رواں ہوئی تو ان کی نشاندہی پر ہم نے برابر والے بند کمرے کے اندر سے مذکورہ صندوق کو برآمد کر لیا تھا۔ اس کمرے میں مویشیوں کا چارا اور زراعت کے عمل میں استعمال ہونے والے چند آلات رکھے ہوئے تھے۔ جستی صندوق کو ان لوگوں نے چارے والے ڈھیر کے اندر چھپا رکھا تھا۔ اس کی لمبائی چار فٹ، چوڑائی دو فٹ اور گہرائی ڈیڑھ فٹ تھی اور......اس کے سامنے والے حصے میں دائیں بائیں کی کنڈیوں میں دو مضبوط تالے لگے ہوئے تھے۔ ان تالوں کو کھولے بغیر صندوق کو کھول کر اندر جھانکنا ممکن نہیں تھا۔

''اس صندوق کے تالوں کی چابیاں کہاں ہیں؟'' میں نے گرج دار آواز میں زخموں سے چُور چُور چودھری کے بندوں سے پوچھا تھا۔

''چودھری صاحب کے پاس ہیں۔'' مجھے جواب ملا۔

''اس صندوق کے اندر کیا ہے؟'' میں نے اگلا سوال کیا۔

''مجھے کچھ پتا نہیں سرکار......'' ساجد نے منت ریز لہجے میں کہا۔

یعقوب نے خوشامدانہ انداز میں کہا۔ ''آپ ہماری بات کا یقین کریں تھانے دار صاحب۔ ہمیں بالکل معلوم نہیں کہ اس صندوق میں کیا رکھا گیا ہے...... ہم تو حکم کے غلام ہیں۔ ہم سے جو کہا گیا، وہ ہم نے کر دیا......''

''ملک صاحب! ان کمینوں کے ساتھ وقت برباد

کرنے سے بہتر ہے کہ ہم تالے توڑ کر صندوق کو کھول لیں۔'' اے ایس آئی نے مجھ سے کہا۔ ''جب یہ صندوق کھل جائے گا تو پھر کسی سے کوئی سوال کرنے کی حاجت باقی نہیں رہے گی۔''

اگرچہ حامد مغل کی تجویز میں اچھا خاصا وزن تھا لیکن میں نے اس سے اتفاق نہیں کیا اور ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔

''جب اس صندوق کے تالوں کی چابیاں چودھری عبدالرحمٰن کی تحویل میں ہیں تو پھر یہ نیک کام کل صبح تھانے میں درجن بھر پولیس اہلکاروں کے سامنے چودھری کے ہاتھوں سے کرایا جائے گا تاکہ سند رہے اور بہ وقتِ ضرورت کام آئے......!''

اس کے بعد ہم اس صندوق اور چودھری کے دونوں گھائل بندوں کو تانگے پر لاد کر تھانے لے آئے تھے۔ مذکورہ صندوق کو میں نے تھانے کے مال خانے میں جمع کرانے کے بعد ساجد اور یعقوب کو حوالدار بہادر علی کے حوالے کر کے خود آرام کرنے اپنے کوارٹر میں چلا گیا تھا۔

اگلی صبح میں نے ایک بندہ بھیج کر چودھری عبدالرحمٰن کو تھانے بلالیا۔ چک بیالیس کی طرف جانے والے بندے کو میں نے تاکید کردی تھی کہ وہ چودھری کو بتادے کہ جستی صندوق کے دونوں تالوں کی چابیاں بھی ساتھ لے کر آنا ہے۔

میرے بھیجے ہوئے آدمی کے چودھری تک پہنچنے سے پہلے ڈیرے پر ہونے والی کارروائی کا احوال چودھری کو معلوم ہو چکا تھا۔ آج علی الصباح جب کھنڈی کسی کام سے ڈیرے پر گیا تو اندر قدم رکھتے ہی اسے کسی بڑی گڑبڑ کا احساس ہو گیا تھا۔ پھر جب اس نے چارے والے ڈھیر میں جستی صندوق کو بھی غائب پایا تو وہ بھاگا بھاگا حویلی پہنچا تھا اور اس نے چودھری عبدالرحمٰن کو ساجد، یعقوب اور صندوق کے بارے میں بتادیا تھا۔ ابھی چودھری کوئی قدم اٹھانے کے بارے میں سوچ ہی رہا تھا کہ میرا بھیجا ہوا بندہ حویلی پہنچ گیا لہٰذا چودھری فی الفور مجھ سے ملنے تھانے چلا آیا تھا۔

''ملک صاحب! یہ سب کیا معاملہ ہے؟'' اس نے آتے ہی مجھ سے سوال کیا۔ ''آپ نے میرے بندوں کے ساتھ یہ مار پیٹ کیوں کی ہے؟''

اس وقت میرے کمرے میں اے ایس آئی حامد مغل کے علاوہ مہمان سب انسپکٹر امداد علی اور کانسٹیبل خادم حسین بھی موجود تھے۔ چودھری کی آمد سے قبل میں نے ہیڈکوارٹر سے آئے ہوئے دونوں افراد کو ''لیٹ نائٹ ونچر'' سے تفصیلاً آگاہ کردیا تھا۔ امداد علی کو پورا یقین تھا کہ اس جستی صندوق کے اندر سے ہاشو ڈکیت کا طلائی دفینہ ہی برآمد ہوگا۔ چودھری کے آنے سے پہلے تک کسی حد تک میں بھی ایسا ہی سوچ رہا تھا لیکن چودھری کے لہجے اور انداز نے مجھے تذبذب میں ڈال دیا۔ مجھے اس کی آنکھوں میں یا چہرے پر وہ تاثرات دکھائی نہیں دے رہے تھے جو ''پہلے اناج'' سے لگا کھاتے ہوں......!

''چودھری صاحب! معاملہ بالکل صاف ہے۔'' میں نے چودھری کے استفسار کے جواب میں متحمل لہجے میں کہا۔ ''جس جستی صندوق کو آج صبح آپ کے ملازمین نے حیدر علی کے کھیتوں سے نکال کر ڈیرے میں چھپا دیا تھا، میں اسے اپنے ساتھ تھانے لے آیا ہوں...... میں اگر چاہتا تو تالے توڑ کر صندوق کو کھول سکتا تھا لیکن دیکھ لیں کہ اس نیک کام کے لیے میں نے آپ کو تھانے آنے کی زحمت دی ہے تاکہ آپ چابیوں کی مدد سے صندوق کے تالے کھول سکیں اور جہاں تک آپ کے ملازموں کی بات ہے تو......'' میں نے لمحاتی توقف کر کے ایک گہری سانس خارج کی پھر اضافہ کرتے ہوئے کہا۔

''ساجد اور یعقوب نے ہمارے ساتھ تعاون کرنے سے صاف انکار کردیا تھا لہٰذا ان کی زبان کھلوانے کے لیے ہمیں دوسرا راستہ اختیار کرنا پڑا۔ آپ قانون کی مجبوریوں کو سمجھ سکتے ہیں......!''

اس نے میری وضاحت کے جواب میں کچھ کہنے کے بجائے دونوں مہمانوں اور حامد مغل کو باری باری دیکھا پھر مجھ سے مخاطب ہو کر بڑے اعتماد سے بولا۔

''ملک صاحب! آپ جیسا سوچ رہے ہیں، ویسا کچھ بھی نہیں ہے۔ آپ صندوق کو یہاں منگوائیں۔ میں آپ کے سامنے اس کے تالے کھول کر آپ کو دکھاتا ہوں۔ اگر صندوق کے اندر سے کسی مقتول کی لاش یا اس لاش کی باقیات برآمد ہوئیں تو میں کڑی سے کڑی سزا کے لیے خود کو پیش کردوں گا۔''

چودھری نے جتنی بڑی بات کردی تھی، اس نے میرے خدشے کو یقین میں بدل دیا یعنی چودھری کے ہاتھ اور دامن اس معاملے میں بالکل صاف تھے۔ وہ کسی بھی حوالے سے غیر قانونی سرگرمیوں ملوث نہیں تھا۔ چودھری کی فرمائش پر میں نے اس جستی صندوق کو مال خانے سے منگوالیا۔ پھر جب چودھری نے دونوں تالے کھول کر صندوق کا ڈھکنا اٹھایا تو اس کے اندر کا منظر دیکھ کر چودھری کے سوا ہم سب دنگ رہ گئے......!

مذکورہ صندوق کے اندر طلائی زیورات تھے نہ سونے کے بسکٹس اور نہ ہی کرنسی نوٹ۔ وہاں پر ہمیں کوئی لاش یا لاش کی باقیات بھی نظر نہیں آئیں۔ صندوق میں نیچے چار اناج اور اس کے اوپر ایک مردانہ لباس رکھا ہوا تھا جو پگڑی، تہ بند اور کُرتے پر مشتمل تھا اور بس......!

میں نے چودھری عبدالرحمٰن کی طرف دیکھتے ہوئے سنسنی خیز لہجے میں استفسار کیا۔ ''چودھری صاحب! یہ سب کیا ہے......؟''

یہ سب کیا ہے؟ کے جواب میں چودھری عبدالرحمٰن نے جو کچھ بتایا وہ حیرت انگیز اور دلچسپ ہے۔ اس نے نہایت ہی سنجیدگی کے ساتھ مجھے بتایا۔

''ملک صاحب! بڑے چودھری صاحب یعنی ابا جی پچھلے چھ برس سے بیمار ہیں اور چارپائی کے ہو کر رہ گئے ہیں۔ فالج کے ایک خطرناک اٹیک نے انہیں مجبور اور لاچار بنا دیا ہے۔ میں نے ہر علاج کر کے دیکھ لیا مگر رتی بھر فائدہ نہیں ہوا۔ کچھ عرصہ پہلے ایک اللہ والے سے ملاقات ہوئی تھی۔ اس نیک بندے نے تین، تین سیر وزن کے چاروں اناج (گندم، چاول، مکئی، چنا) دم کر کے مجھے دیے اور فرمایا کہ اگر میں ان اناج کو کسی جستی صندوق میں بھر کر ان کے اوپر ابا جی کا ایک مکمل لباس رکھ کر چالیس دن کے لیے کسی ایسی زرعی زمین میں کم از کم ایک گز کی گہرائی میں دفن کر دوں جس زمین میں کم از کم ایک سال سے کاشت کاری نہ کی گئی ہو تو میرے ابا جی بھلے چنگے ہو جائیں گے۔ میں نے اس اللہ والے کی ہدایت پر عمل کرتے ہوئے اس جستی صندوق کو تالا بند کر کے حیدر علی کے ایک کھیت کے کونے میں دبوا دیا تھا لیکن ابھی تیس ہی دن گزرے تھے کہ آپ نے حیدر علی کی زمین میں کسی لاش کی دستیابی کے لیے کھدائی کا کام شروع کروا دیا۔ یہ دیکھ کر میں پریشان ہو گیا اور مجھے جیسے ہی موقع ملا، میں نے صندوق کو زمین کے اندر سے نکال کر ڈیرے پر پہنچوا دیا۔ ارادہ یہی تھا کہ جیسے ہی حیدر علی کی زمین کی طرف سے آپ کا دھیان ہٹے گا تو میں دوبارہ اس صندوق کو واپس اسی زمین میں چالیس دن پورے کرنے کے لیے دفن کروا دوں گا۔ میں نہیں چاہتا تھا کہ یہ صندوق آپ کے ہاتھ لگے......اور ایسا ہی ہو گیا۔ پتا نہیں، اس خلل کے باعث اس اللہ والے بندے کا عمل کام کرے گا یا نہیں......!''

میں نے چودھری کی سنائی ہوئی کہانی کے جواب میں کہا۔ ''اگر آپ اس قسم کے عملیات پر یقین رکھتے ہیں تو اس صندوق کو آپ دوبارہ جہاں چاہیں دفن کروا دیں۔ میں تو آپ سے صرف یہ کہوں گا کہ قدرت پوری طرح آپ کے عزم کا ساتھ دے رہی ہے اسی لیے پچھلی رات موسلا دھار بارش ہوئی ہے جس نے حیدر علی کی پیاسی چار ایکڑ اراضی کو سیراب کر دیا ہے۔ اگلے دو چار روز میں بھی ایسی ہی طوفانی بارش کا امکان ہے، گویا پانی کا مسئلہ آسان حل کرنے کو بے تاب ہے لہٰذا آپ اپنی ذمے داری کو پورا کرنے بلکہ اپنے عہد کو نبھانے کے لیے کمر کس لیں۔ آپ سمجھ رہے ہیں نا......میں کیا کہہ رہا ہوں، چودھری صاحب......؟''

وہ چند لمحات تک مجھے ایسے یک ٹک دیکھتا رہا جیسے میں کسی اور سیارے کا باشندہ ہوں پھر اس نے میکانکی انداز میں سر کو اثباتی جنبش دی اور کسی روبوٹ کے سے انداز میں بولا۔

''سمجھ گیا ملک صاحب......!''

میں نے اس جستی صندوق اور ساجد و یعقوب کو چودھری کے حوالے کیا۔ پھر ہیڈ کوارٹر والے مہمانوں کی رخصتی کا بندوبست کرنے میں مصروف ہو گیا۔ اتنی زیادہ ہنگامہ آرائی اور سنسنی خیزی کے باوجود بھی وہ دونوں خالی ہاتھ اور مایوس واپس جا رہے تھے اور مجھے اس کا دلی افسوس تھا۔

☆☆☆

بہ ظاہر یہ کہانی ''کھودا پہاڑ اور نکلا چوہا'' کی فلاسفی پر ختم ہو جاتی ہے لیکن ایسا ہرگز نہیں ہے۔ اس کہانی کا ڈراپ سین اس وقت مجھے دیکھنے کو ملا جب دو ماہ بعد میں کسی محکمہ جاتی کام سے ڈسٹرکٹ ہیڈ کوارٹر گیا اور وہاں میری ملاقات سب انسپکٹر امداد علی سے ہوئی۔ رسمی علیک سلیک کے بعد اس نے کہا۔

''ملک صاحب! وہ حیدر علی تو بڑا اکلا کار نکلا......!''

''کون حیدر علی؟'' بے ساختہ میرے منہ سے نکلا۔

''آپ حیدر علی کو بھول گئے، کمال ہے!'' وہ حیرت سے مجھے دیکھتے ہوئے بولا۔ ''میں چک بیالیس والے اس حیدر علی کی بات کر رہا ہوں جس کی چار ایکڑ اراضی میں ہم نے کھدائی کروائی تھی......کچھ یاد آیا؟''

''اچھا وہ......!'' میں نے جلدی سے کہا۔ ''وہ تو مجھے اچھی طرح یاد ہے۔ کیا ہوا اسے۔ آپ اس کی کون سی کلاکاری کی بات کر رہے ہیں؟''

''اس کی کلاکاری کا سنیں گے تو دنگ رہ جائیں گے ملک صاحب!'' وہ گہری سنجیدگی سے بولا۔ ''لیکن پہلے میں آپ کو خوشیا تیلی اور ہاشو ڈکیت کے بارے میں بتاؤں گا۔''

''ٹھیک ہے، بتائیں۔'' میں ہمہ تن گوش ہو گیا۔

''خوشیا تیلی سے تفتیش کرنے پر پتا چلا کہ وہ ہاشو کے قیمتی دفینے کے بارے میں کچھ نہیں جانتا لیکن اس کے ساتھ ہی اس نے ایک حیرت انگیز انکشاف بھی کیا اور وہ یہ کہ ہاشو لکھنا پڑھنا بالکل نہیں جانتا ہے۔'' امداد علی نے مجھے بتایا۔ ''خوشیا کی اس بات نے ڈیپارٹمنٹ کو سوچنے پر مجبور کر دیا کہ ہاشو نے وہ پیلے اناج کو دبانے والی چٹھی جیل میں کس سے لکھوائی ہوگی۔ پھر تفتیش کرنے پر پتا چلا کہ......''

''وہ چٹھی حیدر علی نے ہاشو کو لکھ کر دی تھی!'' میں سب انسپکٹر کی بات پوری ہونے سے پہلے ہی بول اٹھا۔ ''ہیں نا......؟''

''آپ کا اندازہ بالکل درست ہے، ملک صاحب!'' وہ تائیدی انداز میں گردن ہلاتے ہوئے بولا۔ ''ہاشو نے بتایا ہے کہ اس نے چٹھی میں خوشیا کو صرف اپنے جیل سے فرار ہونے کے بارے میں ہدایت دی تھی۔ باقی وہ پیلے اناج کو حیدر علی کی زمین میں دبانے کی بات حیدر علی نے خود اپنی طرف سے لکھ دی تھی......''

''اور حیدر علی نے یہ حرکت اس لیے کی کہ دفینے کو کھوجنے کے چکر میں پولیس اس کی چار ایکڑ اراضی کو کھود ڈالے گی اس طرح اس کی بیوی شاداں کو اس سال اپنی زمین پر کاشت کاری کرانے میں آسانی رہے گی۔ میں سمجھتا ہوں، شاداں بھی اپنے شوہر کی اس چال سے واقف تھی اسی لیے کھدائی کے دوران میں وہ ایک بار بھی اپنی زمین پر نہیں آئی تھی۔ ایک بات اور......'' لمحاتی توقف کر کے میں نے ایک گہری سانس خارج کی پھر اپنی بات مکمل کرتے ہوئے کہا۔ ''مجھے یقین ہے، حیدر علی کو یہ بات معلوم ہوگی کہ جیل میں آنے اور جانے والی تمام چٹھیاں کھول کر پڑھی جاتی ہیں۔''

''جی بالکل!'' سب انسپکٹر امداد علی نے اثبات میں گردن ہلائی۔ ''حیدر علی ایک ذہین انسان ہے۔ اس نے پرائمری تک تعلیم حاصل کر رکھی ہے۔ جیل میں اکثر قیدی اس سے خط لکھواتے ہیں۔ وہ ہاشو کے بارے میں جان گیا تھا کہ اس نے بہت سارا سونا لوٹ کر کہیں چھپا رکھا ہے۔ بس، پھر جب ہاشو نے بڑی رازداری کے ساتھ حیدر علی سے خوشیا تیلی کے نام چٹھی لکھوائی، یہ وعدہ کرتے ہوئے کہ باہر جاتے ہی وہ اسے بھی جیل سے نکلوا لے گا تو حیدر علی نے اس کے وعدے کو جوتے کی نوک پر مارا اور ہاشو کی لاعلمی اور ناخواندگی کا فائدہ اٹھا کر خط کے نفسِ مضمون میں ان الفاظ کا اضافہ کر دیا...... میں نے سارا پیلا اناج اوکاڑہ کے ایک گاؤں چک بیالیس والے کچے راستے کے کنارے واقع حیدر علی نامی ایک کاشت کار کی چار ایکڑ زرعی اراضی میں دبا رکھا ہے......''

''اوہ......!'' میں نے زیرِ لب مسکراتے ہوئے کہا۔ ''یہ حیدر علی کی ایک شاطرانہ چال تھی۔ کیا اس سلسلے میں تم لوگوں نے حیدر علی سے بھی کوئی بات کی؟''

''بالکل کی...... اس راز کے سامنے آ جانے کے بعد یہ بہت ضروری ہو گیا تھا۔'' امداد علی نے کہا۔ ''حیدر علی نے بڑی شرافت کے ساتھ اپنی اس حرکت کا اعتراف کر لیا جیسے نہایت ہی آسانی سے اس نے ماکھا کو موت کے گھاٹ اتارنے کا اقبال کر لیا تھا۔ ملک صاحب! حیدر علی اپنی بیوی سے بہت زیادہ محبت کرتا ہے۔ شاداں ہر ماہ پابندی سے جیل میں اس سے ملاقات کرنے آیا کرتی تھی۔ اس واقعے سے پہلے جب وہ حیدر علی سے ملنے آئی تو اس نے روتے ہوئے معاشی بدحالی کے بارے میں اپنے خاوند کو سب کچھ بتا دیا۔ حیدر علی سے شاداں کے آنسو دیکھے نہ گئے اور اپنے ان مسائل کے حل کے لیے اس کے ذہن میں جو بھی آئیڈیا آیا، اس نے فوراً عمل کر ڈالا۔''

''یہ حیدر علی کلاکار ہی نہیں بلکہ مہا کلاکار ہے......!'' میں نے سوچ میں ڈوبے ہوئے لہجے میں کہا۔ ''اس کا آئیڈیا کام کر گیا......''

''ملک صاحب! حیدر علی نے مجھے آف دی ریکارڈ بھی ایک بات بتائی ہے۔'' امداد علی نے رازدارانہ انداز میں کہا۔

''وہ کیا؟'' میں نے چونکتے ہوئے لہجے میں استفسار کیا۔

''اس نے کہا کہ وقوعہ کی رات وہ ڈیرے پر ماکھا کو سمجھانے نہیں گیا تھا۔'' امداد علی ٹھہرے ہوئے لہجے میں بتانے لگا۔ ''وہ ماکھا کو ختم کرنے کے ارادے سے وہاں گیا تھا۔ اسے اس بات کا اچھی طرح احساس ہو گیا تھا، جب تک ماکھا زندہ رہے گا، شاداں کی عزت کو محفوظ نہیں سمجھا جا سکتا لہٰذا اس نے اس رات ماکھا جیسے موذی کا سر کچلنے کا پکا ارادہ کرنے کے بعد ہی ڈیرے کا رخ کیا تھا۔ وہ اس رات سارا حساب چکتا کرنا چاہتا تھا۔ اس کی بدقسمتی کہ ساجد علی نے اسے ڈیرے سے نکلتے دیکھ لیا اور وہ ماکھا کے قتل میں دھر لیا گیا...... باقی کی اسٹوری اس نے یہ سوچ کر گھڑی تھی کہ بہرحال، ان لوگوں نے چک بیالیس ہی میں زندگی گزارنا تھی......''

سب انسپکٹر نے اپنی کتھا مکمل کی تو میں ایک طویل اور بوجھل سانس خارج کرتے ہوئے محض اتنا ہی کہہ سکا۔

''تو وہ رات ماکھا کے لیے لیلۃ الحساب ثابت ہوئی تھی......!''

(تحریر: حسام بٹ)